

19

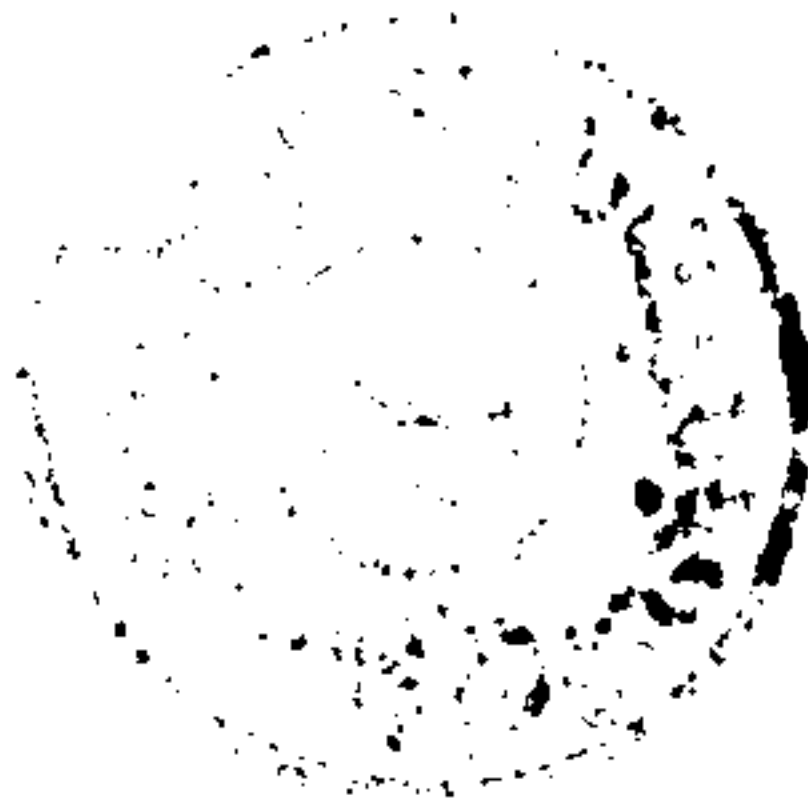
درود

عتراضات کے جوابات

امام اہلسنت غزالیؒ کی زبان پر
حضرت علامہ سید محمد سعید علی مدظلہ

کاظمی سہیل کشن

مدرسہ انوار العلوم، پکھری روڈ، ملتان



درودِ مانج پر اعتراضات کے جوابات

— از قلم: —

امام اہلسنت غزالیؒ زماں رازیؒ دورانِ
حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

کاظمی پبلیکیشنز

مدیر انوار العلوم ○ کچہری روڈ ○ ملتان

1577/11



17000

درودِ مانج

پر

اعتراضات کے جوابات

—: از قلم: —

امام اہلسنت غزالیؒ زماں رازیؒ دورانؒ
حضرت علامہ سید احمد سعیدؒ کاظمیؒ رحمۃ اللہ علیہ

کاظمی پبلیکیشنز

میر انوار العلوم ○ کچہری روڈ ○ ملتان

جُملہ حقوق محفوظ ہیں

©

59724

نام کتاب :	درودِ تاج پر اعتراضات کے جوابات
نام مصنف :	امام اہل سنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ
تاریخ اشاعت :	نومبر ۱۹۸۶ء
تعداد :	دو ہزار
ہدیہ :	
ناشر :	کاظمی پبلیکیشنز، سیرانوار العلوم کچہری روڈ ○ ملتان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ وَالْبُرَاقِ وَالْعَالَمِ
دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ
وَالْأَلَمِ ۝ اِسْمُهُ مَكْتُوبٌ مَرْفُوعٌ مَشْفُوعٌ
مَنْقُوشٌ فِي اللُّوحِ وَالْقَلَمِ ۝ سَيِّدِ الْعَرَبِ
وَالْعَجَمِ ۝ جِسْمُهُ مُقَدَّسٌ مُعَظَّرٌ مُطَهَّرٌ
مُنَوَّرٌ فِي الْبَيْتِ وَالْحَرَمِ ۝ شَسِيسِ الضُّحَى
بَدْرِ الدُّجَى صَدْرِ الْعُلَى نُورِ الْهُدَى كَهْفِ
النُّورِ مِصْبَاحِ الظُّلَمِ ۝ جَمِيلِ الشَّيْمِ
شَفِيعِ الْأَمَمِ ۝ صَاحِبِ الْجُودِ وَالْكَرَمِ
وَاللَّهُ عَاصِمُهُ وَجِبْرِيلُ خَادِمُهُ وَالْبُرَاقُ
مَرْكَبُهُ وَالْمِعْرَاجُ سَفَرُهُ وَسِدْرَةُ
الْمُنْتَهَى مَقَامُهُ وَقَابِ قَوْسَيْنِ مَطْلُوبُهُ
وَالْبَطْلُوبُ مَقْصُودُهُ وَالْمَقْصُودُ مَوْجُودُهُ

سَيِّدِ السُّرَسَلِينَ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ شَفِيعِ
الْمُذْنِبِينَ أُنَيْسِ الْغُرَيْبِينَ رَحْمَةِ الْعَالَمِينَ
رَاحَةِ الْعَاشِقِينَ مُرَادِ الْمُشْتَاقِينَ شَمْسِ
الْعَارِفِينَ سِرَاجِ السَّالِكِينَ مُصْبِحِ الْمُقَرَّبِينَ
مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَاءِ وَالْمَسَاكِينِ سَيِّدِ الثَّقَلَيْنِ
نَبِيِّ الْحَرَمَيْنِ إِمَامِ الْقِبْلَتَيْنِ وَسَيِّدِنَا فِي
الدَّارَيْنِ صَاحِبِ قَابِ قَوْسَيْنِ مُحَبُّوبِ رَبِّ
الْمُشْرِقِينَ وَالْمَغْرِبِينَ جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ
مَوْلَانَا وَمَوْلَى الثَّقَلَيْنِ أَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ
ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ نُورٍ مِّنْ نُورِ اللَّهِ يَا أَيُّهَا
الْمُشْتَاقُونَ بِنُورِ جَمَالِهِ صَلُّوا عَلَيْهِ وَ
آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا



عرضِ ناشر

زیرِ نظر رسالہ درِ اہلِ جواب ہے جعفر شاہ پھلواری کے ایک کتا پچے کا جو بنیادی طور پر دُرودِ تاج کی مخالفت میں لکھا گیا تھا لیکن جس میں دعائے حُبِ لہجہ، نادِ علی، لیٰ خُمستہ جیسی ادعیہ و اُوراد پر بھی بزعمِ باطل بڑھ چڑھ کر اعتراض کئے گئے تھے۔ فریقِ مخالف کے خیال میں اس کتا پچے میں کئے گئے اعتراضات کا جواب قیامت تک ممکن نہ تھا۔

اہم اہلسنّت غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے مذکورہ کتا پچے کے جواب میں زیرِ نظر رسالہ لکھ کر یہ ثابت فرمادیا کہ فریقِ مخالف کے وزنی سے وزنی اور مشکل سے مشکل اعتراضات کتنے بے وقعت ہیں۔ مقامِ نبوت و ولایت کے تحفظ میں لکھے گئے اس رسالے کو پڑھیں اور اپنے قلوب کو عشقِ بارگاہِ نبوت و ولایت سے معمور و منور کیجئے۔

زیرِ نظر کتاب میں استمدادِ اولیاء کو شرک کہنے والوں کے ردِ بلیغ کے ساتھ معجزہ و کرامت کے فوقِ الاسباب یا تحتِ الاسباب ہونے اور خالقِ عادت پر نبی و ولی کے قدرت و اختیار جیسے کمی معرکہ الآراء مسائل پر اہلسنّت و جماعت کا نقطہ نظر اہم اہلِ سنّت نے اپنے مخصوص چچے تلے انداز میں مختصراً جامع الفاظ میں واضح فرمایا ہے جس کی نظیر موجودہ دور کی تحریروں میں شاید ہی کہیں ملے۔

یہ رسالہ اس اعتبار سے بھی ہمارے لئے نعمتِ غیر مترقبہ ہے کہ یہ
حیاتِ ظاہری کی سب سے آخری تحریر ہے جو ہدیہِ ناظرین ہے۔ اس رسالے
کی تبیین حضرت علیہ الرحمہ کے سامنے مکمل ہو گئی تھی۔ کتابت و تصحیح
اور طباعت کا کام حضرت کے وصال کے بعد انجام پایا۔

آخر میں ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ
حضرت امام اہل سنت کے درجات بلند فرمائے اور فقیرِ راقم الحروف کو حضرت
علیہ الرحمۃ کے نقشِ قدم پر چل کر آپ کے مشن کو جاری رکھنے کی توفیق عطا
فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

فقیرِ سید مظہر سعید کاظمی غفرلہ

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	سبب تالیف	۹	۲۲	آٹھواں اعتراض اور اس کا جواب	۲۸
۲	ابتدائیہ	۱۱	۲۳	لفظ غریب کا معنی	۲۸
۳	تخطہ فی الواقع خطا	۱۲	۲۴	نویں اعتراض کا جواب	۲۹
	کو مستلزم نہیں		۲۵	راحتہ العاشقین	۲۹
۴	پہلے اعتراض کا جواب	۱۴	۲۶	عشق کے معنی	۲۹
۵	اسمہ مشفوع	۱۴	۲۷	عشق مولانا رومی کی نظریں	۳۰
۶	چلواری صاحب کی علمی نیت	۱۶	۲۸	محبت	۳۱
۷	لفظ مشفوع کلام علماء میں	۱۸	۲۹	لفظ عشق کا ثبوت	۳۲
۸	دوسرے اعتراض کا جواب	۱۹	۳۰	عدم ورود ثبوت سناقت نہیں	۳۲
۹	منقوش فی اللوح والقلم	۱۹	۳۱	دسویں اعتراض کا جواب	۳۵
۱۰	تیسرے اعتراض کا جواب	۲۱	۳۲	اقارب کمال درجے کی محبت	۳۵
۱۱	سدرۃ المنتقی کا مقام	۲۱	۳۳	گیارہویں اعتراض کا جواب	۳۶
۱۲	چوتھے اعتراض کا جواب	۲۲	۳۴	زور گندم اور عشق	۳۶
۱۳	قاب قوسین کا اعراب	۲۲	۳۵	بارہویں اعتراض کا جواب	۳۶
۱۴	پانچویں اعتراض کا جواب	۲۲	۳۶	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معشوق	۳۶
۱۵	قاب قوسین کا معنی	۲۲		کہنا جائز نہیں	
۱۶	چھٹا اعتراض اور اس کا جواب	۲۳	۳۷	راحتہ العاشقین پر اعتراض کا غیور	۳۸
۱۷	درد تاج کی عربیت بے غبار ہے	۲۳	۳۸	تیرھواں اعتراض اور اس کا جواب	۳۸
۱۸	والمطلوب مقصودہ کا مطلب	۲۴	۳۹	محبوب رب المشرقیین	۳۸
۱۹	ساتویں اعتراض کا جواب	۲۴	۴۰	"عدم ورود" دلیل عدم جواز	۳۹
۲۰	انیس الغریبین	۲۴		نہیں	
۲۱	لفظ غریبین کا استعمال	۲۶	۴۱	چودھویں اعتراض کا جواب	۴۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۲	جد الحسن والحسین	۴۰	۵۵	مہر آہ ہے	۵۵
۴۳	حنین کریمین بلکہ جمیع امت	۴۰	۶۰	عوامی مقبولیت	۶۰
	مسلمہ باعثِ فخر	۴۲	۶۱	تشیسیوں اعتراض کا جواب	۶۱
۴۴	پندرہویں اعتراض کا جواب	۴۳	۶۱	"یا اللہ" کی ترکیب صحیح ہے	۶۱
۴۵	نام مخفی رکھنے کی توجہ	۴۳	۶۱	فیوض اولیائے تنفیر کی سازش	۶۱
۴۶	سولہویں اعتراض کا جواب	۴۵	۶۴	چوبیسویں اعتراض کا جواب	۶۴
۴۷	وظائف اولیاء کی زبان کو	۴۴	۶۴	معرف باللام پر دخول حرفِ نداء	۶۴
	گھٹیا کہنا	۴۷	۶۵	ناد علیاً	۶۵
۴۸	پچھواڑی صاحب کا اپنے	۴۶	۶۵	ایک بے بنیاد قصے کی تردید	۶۵
	مرشد کو مشرک بتانا	۴۹	۶۵	ناد علی شعر نہیں	۶۵
۴۹	سترہویں اعتراض کا جواب	۴۷	۶۶	پچیسویں اعتراض کا جواب	۶۶
۵۰	وظائف اولیاء کو خلاف	۴۷	۶۶	چھبیسویں بتا تیسویں اور	۶۶
	قرآن و سنت کہنا		۶۶	اٹھائیسویں اعتراض کا جواب	۶۶
۵۱	اٹھارہویں اعتراض کا جواب	۴۷	۶۶	چند بے محل اعتراضات کا	۶۶
۵۲	ایماشا المشاقون بنور جمالہ	۴۷		اجمالی جواب	
۵۳	انیسویں اعتراض کا جواب	۴۹	۶۷	اتیسویں اعتراض کا جواب	۶۷
۵۴	غلطی کا انکشاف	۴۹	۶۷	نام اقدس بے کر خطاب کرنا	۶۷
۵۵	بیسویں اعتراض کا جواب	۵۱	۶۸	"یا محمد" کہنے کا ثبوت	۶۸
۵۶	غلط انتساب	۵۱	۶۹	تیسویں اعتراض کا جواب	۶۹
۵۷	اکیسویں اعتراض کا جواب	۵۲	۶۹	ناد علی کو مشرک نہ وظیفہ کہنا	۶۹
۵۸	قواعد صرف و نحو قطعی نہیں	۵۲	۶۹	اکیسویں اعتراض کا جواب	۶۹
۵۹	بائیسویں اعتراض کا جواب	۵۵	۷۹	مرتب "ناد علی" کو بد بخت	۷۹
۶۰	دو درناج ہر طرح کی غلطی سے		۷۹	شاعر کہنا	۷۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۸۰	بتیسویں اعتراض کا جواب	۷۰	۹۶	اللہ تعالیٰ بھی اپنی حکمت کے خلاف نہیں کرتا۔	۸۴
۸۱	حسین کریمین صحابی میں	۷۰			
۸۲	حضرت علی اور غزوہ خیبر	۷۲	۹۷	چونتیسویں اعتراض کا جواب	۸۵
۸۳	مرحب یہودی کے قاتل	۷۴	۹۸	لی خستہ اظنی بہا	۸۵
۸۴	محب طبری پر غلط بیانی	۷۷	۹۹	مجا کی ضمیر کا مرجع	۸۵
۸۵	تینتیسویں اعتراض کا جواب	۸۰	۱۰۰	عنستہ اور اس کے امثال کے	۸۵
۸۶	استمداد کی شرعی حیثیت	۸۰		بعد ”ھا“ ”ھم“ اور ”ھن“ تینوں قسم	۸۵
۸۷	منظرہ عون الہی	۸۱		کے ضمائر کا استعمال حدیث	
۸۸	حدیث قرب نوافل	۸۱		ثابت میں ثابت ہے۔	
۸۹	اس حدیث کی ایک تشریح	۸۲	۱۰۱	الحاطہ کا الوبا کی صفت ہونا	۸۶
	پر تنقید		۱۰۲	حدیث: ام زرع میں صفت کی	۸۶
۹۰	حدیث کے صحیح معنی	۸۲		موصوف سے مطابقت	
	تفسیر فخر رازی سے	۸۲	۱۰۳	لفظ ان ظمہ پر الف، لام	۸۶
۹۱	اس حدیث کو عقیدہ توحید کے	۸۳	۱۰۴	پنچتیسویں اعتراض کا جواب	۸۸
	خلاف سمجھنا غلط ہے۔		۱۰۵	صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۸۸
۹۲	انسانیت کا کمال قرب الہی ہے	۸۳		ضمیر مجبور پر بغیر اعادہ جار عطف	۸۸
۹۳	اس مقام کے لوگ مختار ہونے	۸۳	۱۰۶	قرآن مجید میں ضمیر مجبور	۸۹
	کے باوجود بظاہر بے اختیار			پر بغیر اعادہ جار عطف	۹۰
	کیوں نظر آتے ہیں		۱۰۷	چھتیسویں اعتراض کا جواب	۹۲
۹۴	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا	۸۴	۱۰۸	مسلمان کا مختصر درود	۹۲
	فقر اختیار ہی تھا۔		۱۰۹	سینتیسویں اعتراض کا جواب	۹۳
۹۵	بعض اوقات انبیاء اولیاء علیہم	۸۴	۱۱۰	رضی اللہ عنہم	۹۳
	الصلوة والسلام کا جاری ہونا		۱۱۱	اڑتیسویں اعتراض کا جواب	۹۵
	نہ کرنا کیوں۔		۱۱۲	لولاک لما خلقت الافلاک	۹۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۱۳	انتالیسویں اعتراض کا جواب	۹۸	۱۳۴	اڑتالیسویں اعتراض کا جواب	۱۱۰
۱۱۴	دین و دنیا اور آخرت	۹۸	۱۳۵	کھلی تضاد بیانی	۱۱۰
۱۱۵	چالیسویں اعتراض کا جواب	۱۰۰	۱۳۶	انچاسویں اعتراض کا جواب	۱۱۰
۱۱۶	صلوۃ معکوس	۱۰۰	۱۳۷	امور عادیہ کو خوارق عادت کہنا	۱۱۰
۱۱۷	خرق عادت یا خرق عادت	۱۰۲	۱۳۸	پچاسویں اعتراض کا جواب	۱۱۱
۱۱۸	اکتالیسویں اعتراض کا جواب	۱۰۲	۱۳۹	تخت سلیمانی کو سوا اڑاتی تھی	۱۱۱
۱۱۹	کرامت کو قے کہنے کا مطلب	۱۰۳	۱۴۰	معجزہ کرامت مقدور نبی ولی ہوتے ہیں۔	۱۱۲
۱۲۰	بالیسویں اعتراض کا جواب	۱۰۴	۱۴۱	سادھو سے کرامت کا ظہور	۱۱۳
۱۲۱	تینتالیسویں اعتراض کا جواب	۱۰۴	۱۴۲	تخت بلقیس کو اٹھانے والا	۱۱۳
۱۲۲	حضرت یحییٰ مینیری کے قول کی وضاحت	۱۰۴	۱۴۳	بانیوں اعتراض کا جواب	۱۱۴
۱۲۳	خرق عادت کی اصطلاح	۱۰۵	۱۴۴	عادی امور کو معجزات بتانا صحیح نہیں	۱۱۴
۱۲۴	معجزہ و کرامت اسباب سے متعلق نہیں ہوتا۔	۱۰۵	۱۴۵	ترہینویں اعتراض کا جواب	۱۱۵
۱۲۵	چونتالیسویں اعتراض کا جواب	۱۰۶	۱۴۶	وامنغان نرسل بالآیات	۱۱۵
۱۲۶	خرق عادت کو ناممکن کہنا	۱۰۶	۱۴۷	چوتھویں اعتراض کا جواب	۱۱۶
۱۲۷	پنچتالیسویں اعتراض کا جواب	۱۰۷	۱۴۸	معجزات کو وقتی کہنا نا فہمی ہے	۱۱۷
۱۲۸	قدرت خداوندی کا انکار	۱۰۷	۱۴۹	پچھنویں اعتراض کا جواب	۱۱۷
۱۲۹	چھیالیسویں اعتراض کا جواب	۱۰۸	۱۵۰	”قرآن“ حقانیت معجزات انبیاء کا امین ہے۔	۱۱۷
۱۳۰	معجزات و کرامات کو نظر بند کرنا	۱۰۸	۱۵۱	ہر مطالبے کا استیفاء	۱۱۸
۱۳۱	ستتالیسویں اعتراض کا جواب	۱۰۸	۱۵۲	اختتامیہ	۱۲۰
۱۳۲	کرامت کو لا اکراہ فی الدین کے منافی کہنا	۱۰۸			

سبب تالیف

میرے ایک شاگرد مولانا حبیب اللہ اویسی ایم اے نے پچھلے دنوں لیاقت پور سے کسی صاحب کا یہ اعتراض بھیجا تھا کہ درودِ تاج میں ”اِسْمُهُ مَشْفُوعٌ“ کے الفاظ ہیں اور مَشْفُوعٌ کے معنی لغت میں مجنوں کے لکھے ہیں۔ میں نے اس کا مفصل جواب لکھا۔ اس کے بعد ایک دوسرا اعتراض پہونچا کہ درودِ تاج میں ”غَرِيبٌ“ کا لفظ ہے جو غلط ہے۔ اس لئے کہ غَرِيبٌ کی جمع غُرَبَاءُ آتی ہے اس کا مفصل جواب بھی میں نے لکھا۔ اس کے بعد مجھے کراچی جانے کا اتفاق ہوا۔ دارالعلوم نعیمیہ کراچی کے بعض علماء نے مجھے بتایا کہ یہ دونوں اعتراض لیاقت پور کے کسی باشندے کے نہیں بلکہ یہ اور ان کے علاوہ بعض دیگر اعتراضات بھی درودِ تاج وغیرہ وظائفِ صوفیہ پر جعفر شاہ پھلواروی نے کئے تھے جو مودودیوں کے رسالہ ”فاران“ میں بڑے مطراق کے ساتھ شائع ہوئے۔ پھر عام لوگوں تک پہنچانے کے لئے وہ ایک پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع کئے گئے۔ جو لیاقت پور میں کسی شخص کے ہاتھ آگیا اور اسکی مزعومہ لیاقت کی تشہیر کا سامان اسے مفت میں مہیا ہو گیا۔ حسن اتفاق سے وہ پمفلٹ مجھ تک بھی پہنچ گیا۔ جس کا عنوان ہے: ”ادعیہ پر تحقیقی نظر“۔ اور مؤلف کا نام لکھا ہے: ”امام الصوفیہ مجتہد العصر علامہ حضرت شاہ محمد جعفر پھلواروی“۔

اس مضمون پر بعض لوگوں کے سوالات اور پھلواروی صاحب کی طرف سے ان کے جوابات بھی اس پمفلٹ میں شامل ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ پمفلٹ اب اتنے عرصے

کے بعد یکم جنوری ۱۹۸۶ء کو مجھے ملا۔ اسے کاش یہ مضمون اسی وقت میرے سامنے آ جاتا تو اس ”تحقیقی نظر“ کا جواب فوری طور پر بروقت لکھ کر میں شائع کر دیتا۔ بہر حال میرے اس مضمون کو پڑھ کر اہل علم پر واضح ہو جائے گا کہ پھلواروی صاحب کی یہ تحقیقی نظر ————— ع ”برعکس نہند نام زنگی کافر“ کا مصداق اور علمی اغلاط کا پلندہ ہے۔ اگرچہ دو اعتراضوں کے جواب مختصراً میں پہلے لکھ چکا ہوں لیکن اب پورا مضمون سامنے آنے کے بعد مناسب سمجھتا ہوں کہ اسے سامنے رکھ کر پھلواروی صاحب کے سب اعتراضات کے جوابات تفصیل سے یکجا قلم بند کر دوں۔

وما توفیقی الا باللہ

سید احمد سعید کاظمی غفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

پھلواروی صاحب نے اپنے اس رسالے کے آغاز میں لکھا ہے کہ ”دردِ تاج کی عبارت پر میں طالب علمانہ استفسار کرنے کی جسارت کر رہا ہوں اور مجھے اپنی علمی بے بضاعتی کا اقرار بھی ہے“ اس کے باوجود پوسے رسالے کی عبارت میں کہیں بھی حقیقت کی جستجو کا شائبہ نظر نہیں آتا۔ اور طلبِ ہدایت کی کاوش دکھائی نہیں دیتی۔ اندازِ تحریر بتاتا ہے کہ استفسار کا اصل مقصد اپنے علم و فضل کا غلط تاثر دینا اور دردِ تاج اور اس جیسے دیگر وظائف کا مذاق اڑا کر صلاحِ امت اور ان کے معمولات سے عامۃ المسلمین کو متنفر کرنا ہے۔ انہوں نے دردِ تاج کی عبارت کو ”بے سروپا“ اور ”بھونڈا“ قرار دیا ہے۔ الفاظ کا یہ انتخاب بتا رہا ہے کہ یہ محض طالب علمانہ استفسار نہیں ہے بلکہ انتہائی سوقیانہ اور غیر مہذب انداز میں مذاق اڑانا ہے۔ درحقیقت دردِ تاج کے الفاظ کو مشرکانہ قرار دے کر اپنے قلبی عناد کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

تخطئه فی الواقع خطا کو مستلزم نہیں

اس میں شک نہیں کہ خطا خواہ کسی سے بھی سرزد ہو اسے صواب نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن ضروری نہیں کہ جس چیز کو کوئی شخص خطا سمجھے وہ درحقیقت بھی خطا ہو ہو سکتا ہے کہ ایک بات کسی کی رائے میں خطا ہو لیکن واقعہ اس کے خلاف ہو۔

_____ دیکھیے حدیبیہ میں جن شرائط پر صلح ہوئی مسلمان ان پر راضی نہ تھے بالخصوص سہیل بن عمرو کی یہ شرط کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارا کوئی آدمی خواہ مسلمان ہو کر آپ کے پاس پہنچے آپ اسے ضرور ہماری طرف واپس کر دیں گے جس پر صحابہ کرام نے کہا : سُبْحَانَ اللَّهِ كَيْفَ يُرَدُّ إِلَى الْمُشْرِكِينَ وَقَدْ جَاءَ مُسْلِمًا۔ سبحان اللہ! جو مسلمان ہو کر آیا وہ مشرکین کی طرف کیسے لوٹایا جائے گا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸ طبع اصح المطابع کراچی) یہ شرط مسلمانوں کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور ناپسندیدہ تھی۔ بخاری میں ہے : فَكِرَةُ الْمُؤْمِنُونَ ذَلِكَ وَامْتَعَصُوا مِنْهُ۔ مسلمانوں نے اس شرط کو نہایت ناپسند کیا اور اس سے غضب ناک ہوئے۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۲)

سہیل بن عمرو کے بیٹے ابو جندل مسلمان ہو کر لوہے میں

جکڑے ہوئے، بیڑیاں پہنے ہوئے، بڑی مشقت و تکلیف کی حالت میں مکہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حدیبیہ پہنچے تھے۔ اور ایمان کی

خاطر انہوں نے مشرکین کی سخت ایندائیں بڑاشت کی تھیں مگر اس شرط کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی واپس جانے کا حکم دیا۔ ابو جندل اس وقت آہ وزاری کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ مجھے اس حال میں مشرکین کی طرف واپس کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہیں کیسے شہداء میں مبتلا ہوں (بخاری جلد ۱ ص ۳۸۰) حضرت عمر جیسے صاحب الرائے انسان کی نظر میں بھی مسلمانوں کے حق میں وہ شرائط انتہائی ذلت کا موجب تھیں انہوں نے کہا : فَلَمْ نَعْطِ الدِّنْيَةَ فِي دِينِنَا۔ جب ہم حق پر ہیں تو اپنے دین میں کیوں پست ہوں۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۳۸۰) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان شرائط کو مان لیا۔ تو سہل بن حنیف جیسے عظیم و جلیل صحابی نے کہا : لَوْ اسْتَطِيعُ اَنْ اُرَدَّ اَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَرَدَدْتُهٗ۔ ”اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو رد کرنے کی طاقت رکھتا تو ضرور اسے رد کر دیتا۔“ لیکن جب نتائج سامنے آئے تو انہیں کہنا پڑا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَعْلَمُ۔ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں (بخاری جلد ۱ ص ۴۵۱، جلد ۲ ص ۶۰۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔ اور قریب ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو۔ اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور قریب ہے تم کسی چیز

کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر نہ ہو۔ (پ البقرہ آیت نمبر ۱۲۱۶) لہذا کسی چیز کو خطا سمجھنے سے لازم نہیں آتا کہ وہ فی الواقع بھی خطا ہو۔ رسالہ زیر نظر میں پھلواڑی صاحب نے جن چیزوں کو غلطی قرار دیا ہے وہ دراصل ان کے اپنے ذہن کی غلطی ہے۔ اگر ایک بھیگے کو ایک کے دو اور دو کے چار دکھائی دیں تو یہ اس کی اپنی نظر کی غلطی ہوگی اسی طرح اگر کوئی ایک چشم دو طرفہ بازار میں سے گزرنے کے باوجود یہ کہے کہ شہر تو خوبصورت ہے مگر بازار ایک ہی طرف ہے تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ بازار تو دونوں طرف ہے تیرا ہی ایک بازار بند ہے پھلواڑی صاحب کو درود تاج میں جو غلطیاں نظر آئیں۔ وہ ان کی اپنی نا سمجھی کا شاہکار ہیں۔ درود تاج ان اغلاط سے پاک ہے۔

پھلواڑی صاحب کے تمام اعتراضات کا خلاصہ ان کے رسالہ کو سامنے رکھ کر ہم ناظرین کرام کے سامنے رکھتے ہیں۔ ان سب اعتراضات کے ترتیب وار جوابات حاضر ہیں انہیں پڑھئے اور پھلواڑی صاحب کی علمی لیاقت پر سر دھنیئے۔

پہلا اعتراض اور اس کا جواب

”اِسْمُهُ مَشْفُوعٌ“

پہلا اعتراض یہ کیا گیا کہ ”عربی میں ”مَشْفُوعٌ“ اسے کہتے ہیں جو مجنوں ہو یا اسے نظر بد لگی ہو یا وہ طاق سے جنت کیا گیا ہو۔ یہ سارے معنی یہاں بے محل ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ مَشْفُوعٌ لہ ہو لیکن یہاں یہ معنی لینا بھی صحیح نہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شافع ہیں، شفیع ہیں اور مُشفَع ہیں۔ یعنی

شفاعت کرنے والے مقبول الشفاعت ہیں بِمَشْفُوعٍ لَّہُ نہیں۔ نعوذ باللہ آمین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کون شفاعت کر سکتا ہے۔۔۔ انتہی کلامہ۔

پھلواروی صاحب کا یہ اعتراض پڑھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی۔

ع۔ ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے۔ انہوں نے لفظ مَشْفُوع سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کے معنی سمجھ لئے حالانکہ درود تاج میں ذات مقدسہ کے لئے نہیں بلکہ لفظ مَشْفُوع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ذات مقدسہ یقیناً مَشْفُوع لَّہُ نہیں۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نظر بد لگے ہوئے ہیں۔ نہ ذات مقدسہ کے حق میں مجنوں کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ جب یہ معانی یہاں متصور ہی نہیں تو پھر ان کے ذکر کی یہاں کیا ضرورت پیش آئی؟ صاحب درود تاج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کو نہیں بلکہ اسم مبارک کو مشفوع کہا ہے۔ جو الشفع سے مأخوذ ہے۔ الشفع کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف اس کی مثل کو ملانا اور طاق کو جفت کرنا۔ قرآن پاک کی سورہ الفجر میں ہے وَالشَّفَعِ وَالْوَتْرِ (پ) قسم ہے جفت کی اور قسم ہے طاق کی۔ المنجد میں شفع شفعاً کے تحت مرقوم ہے۔ الشَّيْءُ صَيَّرَهُ شَفْعًا أَيْ زَوْجًا بِأَنْ يُضَيَّفَ إِلَيْهِ مِثْلُهُ۔ انتہی (المنجد: ص: ۳۹۵ طبع بیروت) یعنی شفع الشیء کے معنی ہیں اس نے شے کو شفع یعنی جفت کر دیا۔ با اس طور کہ ایک شے کی طرف اس کی مثل کو ملا دیا۔

اسی طرح اقرب الموارد میں ہے۔ شفع..... شفعاً صَيَّرَهُ شَفْعًا أَيْ زَوْجًا أَيْ أَصَافَ إِلَى الْوَاحِدِ ثَانِيًا..... يُقَالُ كَانَ وَتَرًا فَشَفَعَهُ بِأَخْرَافٍ قَرَّتْهُ۔ بہ۔ انتہی۔ راقب الموارد: جلد: ۱۔ ص: ۵۹۹) یعنی شفع شفعاً کے معنی ہیں اس نے کسی چیز کو شفع کر دیا۔ یعنی اسے جفت بنا دیا۔ یعنی ایک کی طرف دوسرے کو ملا دیا۔

اہل عرب کا مقولہ ہے کہ وہ طاق تھا اس نے دوسرے کو اس کے ساتھ ملا کر اسے جنت کر دیا۔ یعنی ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیا۔

نیز ”تاج العروس“ میں ہے۔ الشَّفْعُ خِلَافُ الْوَثْرِ وَهُوَ الزَّوْجُ تَقُولُ كَانَ وَثْرًا فَشَفَعْتُهُ شَفْعًا وَشَفَعَ الْوَثْرَ مِنَ الْعَدَدِ شَفْعًا صَيَّرَهُ زَوْجًا یعنی شفع، وتر کے خلاف ہے اور شفع جنت کو کہتے ہیں۔ اہل عرب کا قول ہے کہ وہ طاق تھا۔ میں نے اسے جنت کر دیا۔ اور اس نے طاق عدد کو جنت بنا دیا۔

(تاج العروس، جلد: ۵، ص: ۳۹۹)

درو و تاج میں لفظ ”مَشْفُوعٌ“ الشَّفْعُ سے ماخوذ ہے اور الشَّفْعُ متعدی ہے۔ اس کا اسم مفعول مَشْفُوعٌ ہے جو مَقْرُون اور جنت کے معنی میں ہے۔ اور ”رِاسْمُهُ مَشْفُوعٌ“ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ میں، اذان میں، تکبیر میں اپنے اسم مبارک کے ساتھ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک نام ملایا۔ یہ مقرون کے معنی ہیں اور اذان و اقامت میں اسے وتر یعنی طاق نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اسے جنت بنا دیا۔ مؤذن اور مکبر اذان و تکبیر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ایک بار نہیں بلکہ دو بار پکارتا ہے اور یہی طاق کو جنت بنانا ہے۔

اسم الہی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کا متصل ہونا۔ اور اذان و تکبیر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کا دو بار پکارنا رِاسْمُهُ مَشْفُوعٌ کے معنی ہیں۔ اور یہ بالکل واضح، بر محل اور مناسب ہیں۔ انہیں نامناسب اور بے محل قرار دینا کج فہمی اور نادانی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ امام قسطلانی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء مبارکہ کے ضمن میں ارقام فرمایا: ”الشَّفْعُ الْمَشْفُوعُ“ (مواہب اللدنیہ جلد ۱ ص ۱۸۴ طبع بیروت)۔ یعنی ”مَشْفُوعٌ“ اور ”مَشْفُوعٌ“ دونوں حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک نام ہیں جس کے بعد صاحب درود تاج کی عبارت قطعاً بے غبار ہوگئی اور پھلواروی صاحب کی لاعلمی بھی بے نقاب ہو کر سامنے آگئی ہے۔

پھلواروی صاحب کی ایک علمی خیانت

پھلواروی صاحب یہ تو کہہ گئے کہ مَشْفُوع کے معنی مجنوں بھی ہیں جیسا کہ المنجد میں ہے۔ مگر اس حقیقت کو چھپا گئے کہ اس معنی کا مأخذ الشَّعْ نہیں علماء لغت میں سے کسی نے آج تک الشَّع کے تحت مَشْفُوع کے معنی مجنوں نہیں لکھے بلکہ الشُّفْعَة کے مادہ پر کلام کرتے ہوئے اہل لغت نے لکھا ہے کہ اس لفظ الشُّفْعَة کے شرعی معنی کے علاوہ ایک معنی ”جنون“ بھی ہیں۔ دیکھیے اقرب الموارید میں ہے۔ الشُّفْعَة اَيْضًا الْجُنُونُ یعنی لفظ شفیعہ کے معنی جنون بھی ہیں۔ (جلد ۱ ص ۵۹۹)

اور المنجد میں ہے الشُّفْعَة جُمُعًا شَفَعُ الْجُنُونُ یعنی لفظ شفیعہ کی جمع شَفَعُ ہے اور اس کے معنی جنون بھی ہیں
لسان العرب میں الشُّفْعَة کے تحت مرقوم ہے وَيُقَالُ لِلْمَجْنُونِ مَشْفُوعٌ وَمَشْفُوعٌ (بِالسَّيْنِ الْمُهْمَلَةِ) (لسان العرب جلد ۸: ص ۱۸۴)
قاموس میں الشُّفْعَة کے تحت لکھا ہے۔ الشُّفْعَة اَيْضًا الْجُنُونُ۔ اور اسی کے تحت ارقام فرمایا۔ اَلْمَشْفُوعُ الْجُنُونُ (قاموس جلد ۳: ص ۱۴۶)۔

ان عبارات سے واضح ہو گیا ہے کہ لفظ مَشْفُوع بمعنی مجنون کا مأخذ شَفَع نہیں بلکہ وہ لفظ الشُّفْعَة ہے جو جنون کے معنی میں آتا ہے درود تاج کے لفظ مَشْفُوع کو اس سے دور کا بھی تعلق نہیں جو لوگ اسے مجنون کے معنی پر

حمل کرتے ہیں وہ خود مبتلائے جنون ہیں۔ ایسے لوگوں نے الشَّفْعُ اور الشُّفْعَةُ کے فرق کو بھی نہیں سمجھا۔ پھر درودِ تاج کے سیاق میں اس امر کو بھی نظر انداز کر دیا کہ اس کا سوقِ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف اور مدح و ثناء پر مشتمل ہے جس میں مجنون کے معنی کا تصور مجنون کے سوا کوئی عاقل نہیں کر سکتا۔

لفظ مشفوع کلامِ علماء میں

صرف یہ نہیں بلکہ پھلواروی صاحب کے حاشیہ برداروں کا دعویٰ ہے کہ مَشْفُوعُ کا لفظ مجنون کے سوا اور کسی معنی میں کسی نے استعمال نہیں کیا حالانکہ ان کا یہ قول خود پھلواروی صاحب کے قول کی تکذیب کے مترادف ہے۔ کیونکہ وہ تسلیم فرما چکے ہیں کہ ”طاق سے جفت کیا ہوا بھی مَشْفُوعُ کے معنی ہیں“ تاہم مزید وضاحت کے لئے ہم بتانا چاہتے ہیں کہ لفظ مَشْفُوعُ مقرون کے معنی میں مستعمل ہوا ہے دیکھیے آیت کریمہ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ کے تحت روح المعانی میں گیارہویں پارے کے ص ۱۱ پر مرقوم ہے ”وَلَعَلَّ تَكْرِيرَ عَذَابِهِمْ لَهَا فِيهِمْ مِنْ اِنْكَفَرِ الْمَشْفُوعِ بِالنِّفَاقِ“ یعنی منافقین کے عذاب کے مکرر ہونے کی وجہ شاید یہ ہے کہ ان کا کفران کے نفاق کے ساتھ مقرون ہے۔

یہاں مَشْفُوعُ مقرون کے معنی میں ہے۔ اسے مجنون کے معنی میں وہی سمجھے گا جو خود مجنون ہوگا۔ یہ بات بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص کہہ دے کہ حق شفعہ جنون کے سوا کچھ نہیں۔ اور جب اس سے پوچھا جائے تو لغت کی کتاب کا حوالہ دے دے کہ یہاں شفعہ کے معنی جنون لکھے ہیں۔

کیا کسی عاقل کے نزدیک یہ بات قابل قبول ہو سکتی ہے ؟
ناظرین کرام نے دیکھ لیا کہ پھلواروی صاحب درودِ تاج کے مجلے کے
ایک جزو کو بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے !



دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

”مَنْقُوشٌ فِي اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ“

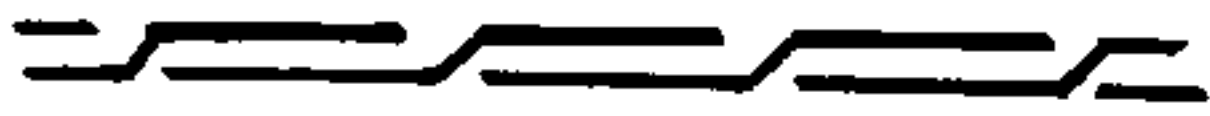
پھلواروی صاحب فرماتے ہیں ”پھر نام مبارک (اِسْمُہ) کا منقوش
فی اللوح ہونا تو سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن منقوش فی القلم ہونا نرالی سی بات ہے
اگر مَنْقُوشٌ فِي اللَّوْحِ بِالْقَلَمِ۔ ہوتا تو پھر بھی بات واضح ہو جاتی۔“
(انتہی)

پھلواروی صاحب نے یہاں بھی ٹھوکر کھائی کہ اس لوح و قلم کا قیاس دنیا
کی قلم اور تختی پر کر لیا۔ اس لئے وہ فرما رہے ہیں کہ ”نام مبارک اِسْمُہ کا
منقوش فی اللوح ہونا تو سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن منقوش فی القلم ہونا نرالی سی
بات ہے۔“ الخ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ لوح میں اسم مبارک کا منقوش ہونا آپ کی سمجھ میں آگیا
البتہ قلم میں منقوش ہونا صرف اس لئے آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آپ نے قیاس
مع الفارق سے کام لے کر یہ سوچا کہ قلم لکھتا ہے۔ اس پر لکھا نہیں جاتا۔ مگر آپ کی یہ
سوچ اس عالم بالاتک نہیں پہنچ سکتی جہاں لوح و قلم تو درکنار سابقِ عرش پر بھی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک منقوش ہے جبکہ حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کے متعلق حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ کَانَ مَكْتُوبًا عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ۔ اس حدیث کو طبرانی، حاکم، ابونعیم اور بیہقی نے روایت کیا۔ حوالہ کے لئے دیکھئے۔ (تفسیر فتح الغزیر پ ۱۸۳ طبع نو لکثور۔ روح المعانی جلد ۱۔ جزء ۱ ص ۲۲۴۔ روح البیان جلد ۱ ص ۱۱۳ طبع بیروت) خلاصۃ التفاسیر جلد ۱ ص ۲۹ طبع انوار محمدی لکھنؤ) اسی طرح درمنثور میں بھی ہے۔ (بحوالہ خلاصۃ التفاسیر) ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کے قلم میں منقوش ہونے کو نہرالی سی بات کہنا بجائے خود نہرالی سی بات، علاوہ ازیں یہاں بھی قلم پر نام منقوش ہونے کی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں پھر اس کو نہرالا سمجھنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ اسم مبارک کا لوح میں مکتوب ہونا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کوئی وجہ فضیلت نہیں۔ لوح میں تو ہر چیز مکتوب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت عظمیٰ اور اہم ترین خصوصیت تو یہ ہے کہ نشان عظمت کے طور پر صرف لوح پر نہیں، قلم پر بھی اسم مبارک ثبت و منقوش ہے۔ بلکہ ساق عرش پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک لکھا ہوا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس رفعت شان کی ایک جھلک ہے جس کا بیان اللہ تعالیٰ نے ”وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ“ میں فرمایا۔ اگر پھلواروی صاحب اس کا انکار کریں تو ہمارے نزدیک ان کا یہ انکار پر کاه کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتا۔ جبکہ آیت قرآنیہ اور اس کی مطابقت میں حدیث مذکور بھی حبیب کبریاء علیہ التحیۃ والثناء کی عظمت و رفعت شان کا اعلان کر رہی ہے۔ صاحب درود تاج نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کے منقوش فی اللوح والقلم ہونے کا ذکر اسی نشان عظمت و رفعت کے طور پر کیا ہے جسے پھلواروی

صاحب نہیں سمجھ سکے۔



تیسرا اعتراض اور اس کا جواب

سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی مَقَامُہٗ

تیسرا اعتراض کرتے ہوئے پھلواروی صاحب لکھتے ہیں۔ ”سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰی مَقَامُہٗ“
واقعہ یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جبریل کا مقام ہے جہاں جا کر وہ ٹھہر گئے اور آگے نہ
جاسکے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گذرگاہ تھی۔ مقام نہ تھا۔“ انتہی کلام
محترم نے اس جملے کو سمجھنے میں بھی غلطی کی حقیقت یہ ہے کہ سدرہ المنتہیٰ کے
عام جبریل ہونے کے جو معنی ہیں وہ یہاں مراد نہیں بلکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی خصوصی رفعتِ شان کا بیان مقصود ہے وہ یہ کہ سدرۃ المنتہیٰ تک کوئی بشر نہیں پہنچا
مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بشریتِ مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچے
”مَقَامُہٗ“ سے یہاں صرف پہنچنے کی جگہ مراد ہے۔ ”مَقَامُ اِبْرٰہِیْمَ“
کا ذکر قرآن مجید میں وارد ہے۔ اور صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے منبرِ شریف کو اپنا ”مقام“ فرمایا۔ حدیث کے الفاظ ہیں : مَا دُمْتُ فِي
مَقَامِیْ هَذَا۔ (بخاری جلد ۱ : ص ۷۷، مسلم جلد ۲ : ص ۲۶۳) جس کے معنی پہنچنے
اور کھڑے ہونے کی جگہ کے سوا کچھ نہیں۔ ورودِ تاج کے اس جملے میں مَقَامُہٗ کا
یہی مفہوم ہے۔ مقامِ جبریل پر مقامِ مصطفیٰ کا قیاس ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت
مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیاس جبریل پر۔

چوتھا اعتراض اور اس کا جواب

قَابِ قَوْسَيْنِ کا اعراب

پھلواروی صاحب کا یہ فرمانا بھی غلط ہے کہ یہاں ”قَاب“ کو مرفوع پڑھنا چاہیے۔ انتہی۔ انہوں نے اتنا بھی نہ سمجھا کہ قرآن کریم کے الفاظ ”قَابِ قَوْسَيْنِ“ کو بطور حکایت درود تاج میں شامل کیا گیا ہے۔ اور درود تاج میں ”قَاب“ کا نصب اعراب حکائی ہے۔ اعراب حکائی کی بحث میں صاحب معجم النحونے لکھا ہے۔ ”الْحِكَايَةُ لُغَةٌ أَلْمَثَلَةُ وَاصْطِلَاحًا يُرَادُ اللَّفْظُ الْمُسْمُوعُ عَلَى هَيْئَتِهِ كَمَنْ قُحِّمَدًا إِذَا قِيلَ رَأَيْتُ مُحَمَّدًا“ یعنی ”حکایت“ لفظِ مماثلت ہے اور اصطلاح میں کسی لفظِ مسموع کو اس کی ہیئت پر وارد کرنا ”حکایت“ ہے۔ جیسے مَنْ قُحِّمَدًا؟ جب کہا جائے رَأَيْتُ مُحَمَّدًا (ص ۶، طبع مصر)

آیت قرآنیہ میں لفظ ”قَاب“ نصب کے ساتھ مسموع ہے۔ اس کی ہیئت پر درود تاج میں حکایت وارد کیا گیا۔ کس اہل علم کے نزدیک اعراب حکائی ناجائز ہے؟

پانچواں اعتراض اور اس کا جواب

قَابِ قَوْسَيْنِ کا معنی

اس کے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں کہ ”قَابِ قَوْسَيْنِ“ کو حضور کا مطلوب و مقصود قرار دینا اس وقت تک محل نظر رہے گا جب تک کتاب اللہ، سنت رسول

اس کی تصدیق نہ ہو جائے“ (انتہی)
میں عرض کروں گا کہ اسے محل نظر کہنا خود محل نظر ہے۔ شاید قَاب
تَوْسِیْن کے مراد ہی معنی پھلواروی صاحب نہیں سمجھے۔ اس سے مراد کمال
رب الہی ہے۔ اور یہ کمال قرب اپنے حسب حال ہر مؤمن کا مطلوب و مقصود ہے
کتاب و سنت کی تعلیم کا خلاصہ یہی ہے کہ بندے کو کمال قرب نصیب ہو جو کمال
عبادت کا معیار ہے۔ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر یہ مضمون وارد ہے۔ مثلاً
وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ (پہلے واقعہ آیت ۱۰-۱۱)
اور جو سبقت کرنے والے ہیں وہ تو سبقت ہی کرنے والے ہیں، وہی اللہ تعالیٰ
کے مقرب ہیں۔

اور بخاری شریف میں حضرت انس سے مروی ہے : وَدَنَا الْجَبَّارُ رَبَّ
الْعِزَّةِ فَتَدَلَّ حَتَّى كَانَ مِنْهُ قَابَ تَوْسِیْنٍ اُذْ اُدْلَتْ۔ اور جب ر
رب العزّة قریب ہوا۔ پھر اور زیادہ قریب ہوا۔ یہاں تک کہ وہ اس (عبد
مقدس) سے دو کمانوں کی مقدار تھا۔ یا اس سے زیادہ قریب۔
(بخاری جلد ۲ ص ۱۱۲۰)
اب تو پھلواروی صاحب سمجھ گئے ہوں گے کہ ”قَاب تَوْسِیْن“ کے معنی کمال قرب
ہیں جو یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلوب و مقصود ہے۔

چھٹا اعتراض اور اس کا جواب

درود تاج کی عربیت بخاری ہے

اس کے بعد پھلواروی صاحب فرماتے ہیں ”علاوہ ازیں یہ پوری عبارت ہی

عجمی قسم کی عربی عبارت ہے۔ ”موجودہ“ کی ترکیب اضافی کچھ عجیب سی ہے۔
”مقصودہ“ اس کا موجود ہے۔ کیا مطلب ہوا؟“ انتہی
اس عبارت کو عربی عبارت کہہ کر بلا دلیل عجمی قسم کی عربی عبارت کہنا ہماری
فہم سے بالاتر ہے۔

وَالْمَطْنُوبُ مَقْصُودَةٌ كَامَطْلَب

جس عبارت کے معنی انہوں نے پوچھے ہیں وہ اپنے معنی میں بالکل واضح ہے
کہ ”قَدْ قَوَّسَيْنَا“ یعنی کمال قرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلوب ہے
اور مطلوب وہی چیز ہوتی ہے جو کسی کا مقصود ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کا مقصود ایسا نہیں جسے حضور نے نہ پایا ہو۔ بلکہ وہ پایا ہوا ہے۔ لہذا ”مَقْصُودَةٌ“
کی ترکیب کو عجیب سی ترکیب کہنا عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔

سُأَلُوا اِعْتِرَاضًا اور اس کا جواب

أَنِّيْسُ الْغُرَيْبِيْنَ

پھلواردی صاحب نے ”أَنِّيْسُ الْغُرَيْبِيْنَ“ پر بھی اعتراض کیا ہے، فرماتے
ہیں: ”کس عربی دان کو نہیں معلوم کہ ”غُرَيْبٌ“ کی جمع ”غُرَبَاءُ“ ہے نہ کہ
غُرَيْبِيْنَ۔ آگے خود ہی اس درود کے مصنف نے ”مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَاءِ
وَأَسْكَكِيْنَ“ لکھا ہے۔“ انتہی۔

یہ اعتراض بھی ان کی علمی کمزوری کا نتیجہ ہے انہوں نے اس حقیقت کو بالکل
نظر انداز کر دیا کہ فَعِيلٌ کے ہم وزن جس صیغے کی جمع سالم نہیں آتی وہ وہی صیغہ

ہے جو مفعول کے معنی میں ہو۔ جار بردی شرح شافیه میں ہے۔ ثُمَّ مَذْكُرُهُذَا
الْجَمْعُ لَا يُجْمَعُ بِالْوَاوِ وَالشُّوْنِ فَرْقًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ فَعِيلٍ بِمَعْنَى فَاعِلٍ
كَكَرِيمٍ۔ یعنی فَعِيلٌ بمعنی مَفْعُولِ کی جمع سالم نہیں آتی تاکہ فَعِيلٌ بمعنی مَفْعُولِ
اور فَعِيلٌ بمعنی فَاعِلِ کے درمیان امتیاز باقی رہے۔ جیسے کَرِيمٌ۔ انتہی
(جار بردی ص ۹۸ طبع سیٹم پریس لاہور)۔ یعنی کَرِيمٌ چونکہ فاعِل کے معنی
میں ہے اس لئے یہ اس قانون کے ماتحت نہیں بلکہ اس کی جمع کَرِيمُونَ
آتی ہے۔ جیسا کہ رضی شرح شافیه میں ہے۔ وَالَّذِي بِمَعْنَى الْفَاعِلِ يُجْمَعُ
جَمْعَ السَّلَامَةِ نَحْوَ رَحِيمُونَ وَرَحِيمَاتٌ وَكَرِيمُونَ وَكَرِيمَاتٌ
فَلَمْ يُجْمَعْ الَّذِي بِمَعْنَى الْمَفْعُولِ جَمْعَ السَّلَامَةِ فَرْقًا بَيْنَهُمَا۔
یعنی فَعِيل کے وزن پر جو صیغہ فاعِل کے معنی میں آئے اس کی جمع سالم آتی
ہے۔ جیسے رَحِيمٌ کی جمع رَحِيمُونَ اور رَحِيمَةٌ کی جمع رَحِيمَاتٌ اور
کَرِيمٌ کی جمع کَرِيمُونَ اور کَرِيمَةٌ کی جمع کَرِيمَاتٌ ہے تو فَعِيل کے
وزن پر جو صیغہ کہ مفعول کے معنی میں ہو اس کی جمع سالم نہیں آتی تاکہ دونوں
کے درمیان فرق باقی رہے۔ انتہی۔ (رضی شرح شافیه ص ۱۴۸ طبع بیروت)
لفظ غَرِيبٌ فَعِيل کے وزن پر صرف فاعِل کے معنی میں آتا ہے۔ لہذا
اس کی جمع غَرِيبُونَ اور غَرِيبِينَ اسی طرح جائز ہے جس طرح
رَحِيمٌ کی جمع رَحِيمُونَ اور کَرِيمٌ کی جمع کَرِيمُونَ جائز ہے۔
صاحب درود تاج نے غَرِيبِينَ کے بعد غُرَبَاء کا لفظ وارد کر کے
اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ اس کی جمع سالم اور مکسر دونوں جائز ہیں۔ جیسے
رَحِيمٌ اور کَرِيمٌ کی جمع سالم۔ اور جمع مکسر یعنی رَحْمَاءُ اور کُرْمَاءُ دونوں
بلاشبہ جائز ہیں۔

لفظ غَرِيبِیْن کا استعمال

امام لغت حدیث علامہ محمد طاہر نے اپنی مشہور و معروف تصنیف ”مجمع بحار الانوار“ کے مقدمہ میں اپنے مآخذ کا ذکر کرتے ہوئے کتاب ”ناظرین الغریبین“ کا ذکر فرمایا اور غَرِیبِیْن کی مناسبت سے حرفِ غِ اس کے لئے رمز قرار دیا۔ اور متعدد مقامات پر ”ناظرین الغریبین“ سے حدیث کے مطالب و فوائد اخذ کئے۔ علامہ محمد طاہر جو کچھ نہایت سے اخذ کرتے ہیں بعض اوقات اس کے ساتھ ان فوائد کو بھی شامل کر دیتے ہیں جو ناظرین الغریبین سے اخذ فرماتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ موصوف نے آغاز کتاب میں فرمایا۔ وَأَخْصُرُ إِلَى ذَلِكَ مَا فِي نَاطِرِ عَيْنِ الْغَرِيبَيْنِ مِنَ الْفَوَائِدِ۔

(مجمع بحار الانوار جلد ۱۳ طبع نوکشتوں)

یہ کتاب میری نظر سے نہیں گزری لیکن اس کے ملتقطات اور فوائد مأخوذہ کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب ”ناظرین الغریبین“ لغت حدیث میں عظیم و جلیل کتاب ہے جس کے نام ”ناظرین الغریبین“ سے صاف ظاہر ہے کہ اہل علم نے لفظ غَرِیبِیْن استعمال کیا ہے۔ پھلواروی صاحب نے لفظ غریبین کو غلط قرار دے کر اپنی لاعلمی کا مظاہرہ فرمایا۔

علاوہ ازیں اگر ہمارے پیش کردہ حوالہ جات اور علماء صرف و نحو کی واضح عبارات سے قطع نظر بھی کر لیا جائے۔ تب بھی لفظ غریبین کے استعمال کو غلط کہنا صحیح نہیں کیونکہ اس قسم کا استعمال آخر کلمات میں رعایت تناسب کی صورت میں بلاشبہ جائز ہے۔ ایسے استعمال کی مثال قرآن مجید کی سورۃ دھر میں ”سَلَا سَلَا“ اور ”قَوَارِيرًا“ کو تنوین کے ساتھ پڑھنا ہے جو خلافِ قاعدہ

ہے اور اہل عرب کے استعمالات اور محاورات کے خلاف ہے کیونکہ یہ دونوں لفظ غیر منصرف ہیں اور غیر منصرف پر تنوین جائز نہیں مگر علماء نے سجع یا فاصلہ کی صورت میں ایک دوسرے کے ساتھ متصلاً استعمال ہونے والے کلمات کے آخر میں تناسب کی رعایت کی بناء پر بلاشبہ اسے جائز کہا۔ (ملخصاً، النخوالوافی جلد: ۴، ص: ۲۷۰-۲۷۱) مَلَا سِلَا (بالتنوين) نافع، کسائی، ابوبکر اور ہشام کی قرأت ہے (تفسیر مظہری جلد: ۱۰، ص: ۱۴۹) اور قَوَارِئِرًا (بالتنوين) ابن کثیر کی قرأت ہے۔ (مظہری جلد: ۱۰، ص: ۱۵۷) یہ دونوں قراءتیں مراعاتِ تناسب کی وجہ سے جائز ہیں۔ قراءتِ متواترہ کی بناء پر ان کے جائز ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ درودِ تاج میں لفظ غَرِيبَيْن بھی بصورتِ سجع کلماتِ متجاورہ کے آخر میں تناسب کی رعایت کی بناء پر بلاشبہ جائز ہے۔ بلکہ حسب تصریح صاحب النخوالوافی جلد: ۴، ص: ۲۷۰، آخر کلمات کا یہ تناسب مخاطب کی سمع کو لذت بخشتا ہے۔ اور سننے والے کے کان کو شیرینی فراہم کرتا ہے۔ تقویتِ معنیٰ میں نہایت موثر ہے۔ قاری اور سامع دونوں کی روح میں ان کلمات کو پیوست کر دیتا ہے۔ انتہی۔

پورا درودِ تاج اسی نوعیت کا ہے۔ بالخصوص انہی کلماتِ متجاورہ مختومہ بالسمع کو ایک مرتبہ اسی خیال سے پڑھیں اور اندازہ فرمائیں کہ مراعاتِ تناسب نے ان کلمات کو کس قدر موثر کر دیا ہے۔ بشرطِ محبت آپ یقیناً محسوس کریں گے کہ دل کی گہرائیوں میں یہ کلمات اترتے چلے جا رہے ہیں۔ سامعہ لطف اندوز ہے۔ اور روح کو غذا میسر ہو رہی ہے۔ درودِ تاج کے وہ کلمات مبارکہ حسبِ ذیل ہیں: سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ، خَاشِعِ النَّبِيِّينَ، شَفِيعِ الْمُذْنِبِينَ، اَنْبِيَاءِ الْغُرَبَاءِ، رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ، رَاحَةَ الْعَاشِقِينَ، مُرَادِ الْمُشْتَاقِينَ، شَمْسِ الْعَارِفِينَ

سِرَاجِ السَّالِكِينَ، مَصْبَاحِ الْمُتَقَرِّبِينَ
اگر اس مقام پر یہ شبہ وار دکیا جائے کہ آخر کلمات میں رعایتِ تناسب کا حکم
الخوالوانی میں غیر منصرف سے متعلق ہے اور ہمارے پیش نظر لفظ غَرِيبٌ ہے تو
اس کا ازالہ یہ ہے کہ خلافِ قاعدہ اور محاوراتِ اہل عرب کے خلاف ہونے
میں غیر منصرف پر تنوین داخل کرنا اور بزمِ فاضل مخاطب غَرِيبٌ کی جمع غَرِيبٌ
لانا دونوں یکساں ہے۔ لہذا آخر کلمات میں رعایتِ تناسب کا حکم بھی دونوں کے
لئے یکساں ہوگا۔

آٹھواں اعتراض اور اس کا جواب

لفظ غَرِيبٌ کا معنی

اس کے بعد پھلواروی صاحب فرماتے ہیں کہ درودِ تاج میں ”دونوں جگہ لفظ
غریب کا وہ مفہوم لیا گیا ہے جو ہماری اردو زبان میں ہے۔ یعنی محتاج، بے مایہ“
(اتہی)

ان کا یہ دعویٰ محض بلا دلیل ہے۔ درودِ تاج میں اَنِيسَ الْغَرِيبِينَ
اور مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ وَالْغُرَبَاءِ دونوں جگہ پر لفظ غَرِيبٌ سے اجنبی مراد ہے۔ اجنبی اور پردیسی
کا کوئی انیس اور محب نہیں ہوتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر پردیسی
اور اجنبی کے انیس اور محب ہیں۔ اَنِيسَ الْغَرِيبِينَ اور مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ
وَالْغُرَبَاءِ کا یہی مفہوم ہے۔ انیس اور محب اس مفہوم کے لئے واضح قرینہ ہیں۔
شاید پھلواروی صاحب نے غُرَبَاءِ کے ساتھ فُقَرَاءِ اور مَسَاكِينِ کے
الفاظ دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ فقراء اور مساکین محتاج ہوتے ہیں۔ اس لئے غُرَبَاءِ سے

بھی محتاج لوگ ہی مراد ہیں مگر انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ لفظ غریب، فقراء کا معطوف ہے اور مساکین کا معطوف علیہ۔ عطف مغایرت کو چاہتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں دونوں میں سے کسی ایک جگہ بھی لفظ ”غریب“ کا مفہوم محتاج و بے مایہ نہیں لیا گیا بلکہ دونوں جگہ وہ اجنبی ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے پھلواروی صاحب کا یہ اعتراض دراصل اظہارِ عناد کے سوا کچھ نہیں۔

۹ نواں اعتراض اور اس کا جواب

رَاحَةُ الْعَاشِقَيْنِ

پھلواروی صاحب نے درودِ تاج کے الفاظ ”رَاحَةُ الْعَاشِقَيْنِ“ میں لفظ ”عاشقین“ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ”محبت ایک لطیف میلانِ قلب کا نام ہے مگر عشق محض زورِ گندم ہوتا ہے جس کا سارا تعلق حُسن و شباب سے ہے۔ مولانا روم نے صحیح کہا ہے :-

عشق نہ بود آنکہ در مردم بود

ایں خمار از خوردن گندم بود

لفظ عشق اتنا گرا ہوا، گھٹیا اور سخیف لفظ ہے کہ قرآن اور احادیث صحیحہ نے

اس لفظ کے استعمال سے مکمل احتراز کیا ہے۔“ انتہی۔

عشق کے معنے

پھلواروی صاحب نے عشق کے معنے زورِ گندم بتائے ہیں جو آج تک کسی نے نہیں بتائے۔ لغت کی کسی کتاب میں لفظ عشق کے یہ معنے کوئی نہ دکھا

کے گا۔ البتہ اس معنی پر انہوں نے مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر سے ضرور استدلال فرمایا ہے۔ جو پھلواروی صاحب کے حواس باختہ ہونے کی دلیل ہے۔ مولانا رومی تو اس شعر میں یہ فرما رہے ہیں کہ لوگوں میں جو خواہش نفسانی پائی جاتی ہے۔ وہ عشق نہیں وہ تو محض گندم کھانے کا خار ہے۔ پھلواروی صاحب نے اسی خار گندم کو عشق قرار دے دیا۔ جس کے عشق ہونے کی مولانا رومی "لفی" فرما رہے ہیں۔

ع ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہئے

عشق مولانا رومی کی نظر میں

مولانا نے اس شعر میں

خار گندم کی مذمت کی ہے مگر حسب ذیل اشعار میں عشق کی مدح فرمائی ہے۔

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد

اوز حرص و عیب کلی پاک شد

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما

اے طبیب جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما

اے تو افلاطون و جالینوس ما

جسم خاک از عشق بر افلاک شد

کوہ در رقص آمد و چالاک شد

یعنی جس کے وجودِ نفسانی کا جامہ عشق سے چاک ہو گیا۔ وہ حرص اور

ہر عیب سے پاک ہو گیا۔ اے ہمارے عشق خوش سوداء اور ہماری تمام بیماریوں

کے طبیب تو خوش رہ۔ اے ہماری نخوت و غرور کی دوا۔ اے ہمارے عشق تو ہی

ہمارا افلاطون اور جالینوس ہے جسمِ خاکی عشق سے افلاک پر پہونچا۔ پہاڑ رقص میں آکر چیت و چالاک ہو گیا۔

ان اشعار میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عشقِ خوش سودا کو تمام بیماریوں کا طبیب اور اسی عشق کو اپنی نخوت و ناموس کی دوا اور اسی عشق کو اپنا افلاطون اور جالینوس فرما کر اس کی مدح فرمائی ہے۔ پہلے شعر کے ساتھ ان اشعار کو ملا کر پڑھیے۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا مفہوم آپ پر واضح ہو جائے گا۔ کہ زورِ گندم عشق نہیں کیونکہ وہ انسانی خواہشات کو ابھارتا اور انسان کو بے شمار امراضِ قلبیہ میں مبتلا کر دیتا ہے عشق تو ان کے نزدیک ایک ایسا جوہرِ لطیف ہے کہ اگر وہ کسی کے وجودِ نفسانی کا جامہ چاک کر دے تو وہ حرص اور ہر عیب سے پاک ہو جائے۔ وہ فرماتے ہیں : عشق ہی ہماری تمام بیماریوں کا طبیب اور نخوت و ناموس کی دوا ہے۔ اسی عشق نے جسدِ خاکی کو افلاک پر پہنچا یا۔ اور اسی عشق سے پہاڑ رقص میں آیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا کے نزدیک زورِ گندم عشق نہیں کیونکہ وہ امراضِ قلبیہ کا سبب ہے۔ اور عشق ان کے نزدیک تمام امراضِ قلبیہ کا طبیب ہے ،
عربیں تفادیت رہ از کجاست تا بہ کجا

محبت

اس ضمن میں پھلواری صاحب نے ایک لطیف میلانِ قلب کا نام محبت رکھا ہے۔ گویا ان کے نزدیک محبت میں نفسانی خواہش، زورِ گندم اور حسن و شباب سے تعلق کا شائبہ ممکن ہی نہیں۔ حالانکہ اہل عرب کے کلام اور محاورات میں محبت کا لفظ حسن و شباب کے تعلق، نفسانی خواہش اور زورِ گندم کے معنی میں بھی بکثرت مستعمل

ہے حدیث میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً بخاری شریف میں ہے :- اِنَّهَا
كَانَتْ لِي بِنْتُ عَمِّ اَحْبَبْتُهَا كَاَشَدَّ مَا يُحِبُّ الرَّجَالُ النِّسَاءَ فَطَلَبْتُ
مِنْهَا فَاَبَتْ . یعنی غار میں پھنسے ہوئے تین آدمیوں میں سے ایک نے کہا میرے
چچا کی بیٹی مہتی جس سے میں ایسی محبت کرتا تھا۔ جیسی شدید ترین محبت مردوں کو
عورتوں سے ہوتی ہے۔ لہذا میں نے اس سے اپنی خواہش پوری کرنا چاہی تو اس
نے انکار کر دیا۔ (بخاری جلد: ۱ ص: ۳۱۴)

الفاظ حدیث کی روشنی میں پھلواروی صاحب کے اپنے من گھڑت عشق کے
معنے اور محبت میں کیا فرق رہا؟ مولانا رومی کے اشعار میں تو عارفین کا عشق مذکور
تھا۔ جو رَا حَة العاشقین کے الفاظ سے مراد ہے۔ اب اہل لغت کی طرف آئے
تمام اہل لغت نے لفظ عشق پر کلام کرتے ہوئے اس کے معنے ”فرط محبت“
کے لکھے ہیں۔ مختار الصحاح ص ۳۷۴ میں ہے۔ اَلْعِشْقُ فَرَطُ الْحُبِّ۔ اسی
طرح لسان العرب جلد ۱۰ ص ۲۵۱، تاج العروس جلد ۷ ص ۱۳ اور قاموس
جلد ۳ ص: ۲۶۵ میں ہے۔

جس طرح محبت پاکیزہ بھی ہوتی ہے اور خبیث بھی۔ اسی طرح عشق بھی
پاکیزگی اور خبیث دونوں میں پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ قاموس میں ہے اَلْعِشْقُ.....
اَفْرَاطُ الْحُبِّ وَيَكُونُ فِي عَفَافٍ وَفِي دَعَارَةٍ۔ (ص ۲۶۵ جلد ۳)
یعنی عشق کا معنے افراط محبت ہے جو پاک دامنی میں ہوتا ہے اور خبیث میں بھی۔
معلوم ہوا کہ عشق اور محبت میں شدت اور افراط کے سوا کوئی فرق نہیں۔

لفظ عشق کا ثبوت

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں کہ ”لفظ عشق اتنا گرا ہوا، گھٹیا اور سخیف

لفظ ہے کہ قرآن اور احادیث صحیحہ نے اس لفظ کے استعمال سے مکمل احتراز کیا ہے۔
قرآن و حدیث میں لفظ ”عشق“ سے مکمل احتراز کا دعویٰ محل نظر ہے۔ قرآن
میں نہ ہی مگر حدیث میں ”عشق“ کے الفاظ موجود ہیں۔ بروایت خطیب
بغدادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے ”مَنْ
عَشِقَ فَعَفَّ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ شَهِيدًا۔ یعنی جس کو کسی سے عشق
ہوا پھر وہ پاک دامن رہتے ہوئے مر گیا تو وہ شہید ہے۔ اس کے علاوہ دوسری
حدیث بھی بروایت خطیب۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
سے مروی ہے : مَنْ عَشِقَ فَاَعَفَّ وَفُتِمَ فَمَاتَ فَهُوَ شَهِيدٌ۔
یعنی جس کو کسی سے عشق ہوا پھر اس نے چھپایا اور پاک دامن رہتے ہوئے مر
گیا تو وہ شہید ہے۔ (الجامع الصغیر جلد ۲ ص ۵، طبع مصر)

اگرچہ ان دونوں حدیثوں میں ضعف کا قول کیا گیا ہے۔ لیکن اس حدیث
کو امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں اسانید متعددہ سے وارد کیا۔ بعض
میں کلام کیا۔ اور بعض کو برقرار رکھا۔ جن اسانید کو برقرار رکھا وہ ضعیف نہیں۔
چنانچہ امام سخاوی نے اس حدیث کی اسانید میں سے ایک سند کے متعلق فرمایا:
”وَهُوَ سَنَدٌ صَحِيحٌ“ (مقاصد حسنہ ص ۴۲)

علامہ سخاوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام خرائطی اور دلمی وغیرہما نے
روایت کیا۔ بعض محدثین کے نزدیک اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں : مَنْ عَشِقَ
فَعَفَّ فَاَعَفَّ فَصَبَرَ فَهُوَ شَهِيدٌ۔ جس کو کسی سے عشق ہو گیا پھر وہ پاک دامن
رہا اور اسے چھپایا۔ اور صبر کیا تو وہ شہید ہے۔ اور امام بیہقی نے اسے طرق
متعددہ سے روایت کیا۔ (مقاصد حسنہ ص ۴۱۹، ص ۴۲ طبع مصر)
اہل علم جانتے ہیں کہ طرق متعددہ سے سند ضعیف کو تقویت حاصل ہو جاتی

ہے۔ مختصر یہ کہ لفظ عَشَق حدیث میں وارد ہے۔ قرآن و حدیث میں اس سے مکمل احتراز کا جو دعویٰ کیا گیا ہے۔ صحیح نہیں۔

عدم ورود ثبوت سخافت نہیں

علاوہ ازیں پھلواڑی صاحب کی یہ دلیل کہ لفظ عَشَق چونکہ قرآن و حدیث میں وارد نہیں ہوا۔ اس لئے وہ نہایت گرا ہوا، گھٹیا اور سخیف ہے۔ قطعاً درست نہیں۔ بکثرت کلمات فصیحہ کتاب و سنت میں وارد نہیں ہوئے مثلاً لفظ ”نُظُوف“ اور اس کا واحد ”نُظُوف“ قرآن میں کہیں وارد نہیں ہوا۔ نیز ”نُظُم“ اور ”نُسُق“ دونوں محاورات عرب میں کثیر الاستعمال اور فصیح ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک لفظ بھی قرآن مجید میں کہیں وارد نہیں ہوا۔ نہ ان دونوں میں سے کوئی لفظ کسی حدیث میں آیا ہے۔ ترمذی شریف میں ”نُظَامُ بَال“ کے الفاظ وارد ہیں (جلد ۹ ص ۵۹ طبع مصر) اور مسند امام احمد میں ایک جگہ لفظ ”مَنْظُومَات“ اور دوسری جگہ ”اِنْتَظَمَتْ“ کا لفظ آیا ہے، (جلد ۲ ص ۲۱۹، جلد ۴ ص ۵۲ طبع بیروت) لیکن لفظ نظم بعینہ آج تک کسی حدیث میں منقول نہیں ہوا۔ اسی طرح نَاسِقُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ کے الفاظ بعض علماء نے حدیث سے نقل کئے ہیں۔ مجمع سجاد الانوار جلد ۳ ص ۳۵۲ طبع نوکشمور) لیکن لفظ نُسُق آج تک کسی حدیث سے کسی نے نقل نہیں کیا۔ کیا پھلواڑی صاحب ان الفاظ کو بھی گھٹیا، گرا ہوا اور سخیف قرار دیں گے؟

پھر یہ کہ لفظ عَشَق نہ سہی مگر اس کے معنی (شدت محبت اور فرط محبت) جو لغت کی معتبر کتابوں سے ہم نقل کر چکے ہیں۔ قرآن و حدیث میں بکثرت وارد ہیں جیسے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ۔ اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کے لئے

بہت زیادہ محبت رکھنے والے ہیں (پ لبقہ)۔
اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ حَتَّىٰ اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مُؤْمِنٍ وَہی
ہے جس کے دل میں سب سے زیادہ میری محبت ہو۔ (بخاری جلد ۱ ص ۲۹)
جلد ۱، ص ۲۹، شدت محبت اور زیادت محبت ہی عشق کے معنی ہیں جو اس آیت
اور اس حدیث میں وارد ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کی فرط محبت کے معنی میں علماء اور صلحاء اہل امت اور فضلاء
ملت نے نظماً و نثراً اس لفظ عشق کو جس کثرت سے استعمال کیا ہے کسی سے مخفی
نہیں کیا اس کے بعد بھی اسے گرا ہوا، گھٹیا اور سخیف کہنے کا جواز باقی رہتا ہے؟
حقیقت یہ ہے کہ لفظ عشق اصل میں گھٹیا اور گرا ہوا نہیں ہے۔ نہ بقول پھلواڑی
صاحب قرآن و حدیث میں اس کا عدم استعمال اس کے گھٹیا، سخیف اور گرا ہوا ہونے
کی دلیل ہے بلکہ پھلواڑی صاحب کی ذہنیت رکھنے والے اگلے پچھلے لوگوں نے
اس کے معنی 'زور گندم سمجھ کر اسے گرے ہوئے، گھٹیا اور سخیف معنی میں استعمال
کیا اسی لئے اس کا استعمال عام مذموم قرار پایا۔ سب سے ایسے بعض استعمالات کے جہاں
سخیف اور گھٹیا معنی کا واہمہ متصور ہی نہ ہو جیسے رَاحَةُ الْعَاشِقَيْنِ، یہاں
اس قسم کے توہم کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

دسواں اعتراض اور اس کا جواب

اقارب سے کمال درجے کی محبت

پھلواڑی صاحب فرماتے ہیں: ”انسان کو اپنے والدین سے بہن، بھائی سے
دختر و فرزند سے کمال درجے کی محبت تو ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے لیکن ان میں سے کسی

ایک سے بھی عشق نہ ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ انتہی۔
ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ عشق کے معنے کمال درجے کی محبت کے سوا کچھ نہیں
لیکن ماں باپ، بہن بھائی کے ساتھ کمال محبت کو عشق اس لئے نہیں کہا جاتا اور
نہ کہا جاسکتا ہے کہ پھلواری صاحب جیسی ذہنیت رکھنے والوں نے خارِ گندم
کا نام عشق رکھ دیا ہے جس کا تصور بھی والدین اور بہن، بھائی کے متعلق نہیں
کیا جاسکتا۔

گیارہواں اعتراض اور اس کا جواب

زورِ گندم اور عشق

پھلواری صاحب فرماتے ہیں محبت کو بقا ہوتی ہے عشق فانی ہے : انتہی۔
درست فرمایا ! زورِ گندم یقیناً فانی ہے، مگر وہ عشق نہیں عشق تو کمال محبت
کا نام ہے اور وہ باقی ہے۔

بارہواں اعتراض اور اس کا جواب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معشوق کہنا جائز نہیں

پھلواری صاحب فرماتے ہیں ”حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
معشوق کہنا انتہائی بدتمیزی ہے۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معشوق
نہیں تو راحۃ العاشقین کس طرح ہو سکتے ہیں؟ انتہی
بجا فرمایا۔ کوئی صاحبِ ہوش و حواس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق

میں یہ لفظ نہیں کہہ سکتا۔ اگر کہے گا تو یقیناً بدتمیز قرار پائے گا۔ مگر صاحبِ درودِ تاج نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں یہ لفظ نہیں کہا۔ اس مقام پر پھلواری صاحب کا یہ کہنا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معشوق نہیں تو ”راحة العاشقین“ کیسے ہو سکتے ہیں؟ انتہائی مضحکہ خیز ہے حکم اور اطلاق کا فرق بھی پھلواری صاحب نہیں سمجھ سکے۔ عشق کے معنی کمالِ محبت کے اعتبار سے الْعَاشِقِیْن کے معنی مجتہدین کا ملین ہیں جس کا مفاد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محبوبِ اکمل ہیں محبوبِ اکمل اپنے محبوبِ کامل کی راحت ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ درودِ تاج میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ پر محبوبِ اکمل ہونے کا حکم ہے۔ لفظِ معشوق کا اطلاق نہیں۔ صاحبِ درودِ تاج نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راحة العاشقین کہا ہے معشوق نہیں کہا۔ پھلواری صاحب کا ان پر یہ الزام کہ انہوں نے راحة العاشقین کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معشوق کہہ دیا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معشوق نہیں تو راحة العاشقین کیسے ہو سکتے ہیں۔ بالکل ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو ”خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ“ کہنے والے پر یہ الزام لگا دیا جائے کہ معاذ اللہ اس نے اللہ تعالیٰ کو خَالِقُ الْخَنَازِيرِ کہہ کر شانِ الوہیت میں گستاخی کی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ خالق الخنازیر نہیں تو خالقِ کل شیء کیسے ہو سکتا ہے؟ جس طرح یہ الزام قطعاً غلط اور لغو ہے۔ اسی طرح راحة العاشقین کہنے کی بنیاد پر مؤلفِ درودِ تاج پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معشوق کہنے کا الزام بھی غلط، یہودہ اور لالینی ہے۔

رَاحَةُ الْعَاشِقَيْنِ پَرَا عِترَاضِ کَا خَمِیَازَہ

اگر پھلواروی صاحب ”رَاحَةُ الْعَاشِقَيْنِ“ کے الفاظ سے یہ الزام لگاتے ہیں کہ درودِ تاج میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معشوق کہا گیا ہے۔ تو اپنے اوپر بھی اس الزام کو قبول کر لیں کہ انہوں نے ماں، بہن اور بیٹی کو محبوبہ کہا ہے۔ جبکہ ماں، بہن اور بیٹی کو اس کے بیٹے، بھائی اور باپ کی محبوبہ کہنا انتہائی مایوس ہے۔ ہم ابھی پھلواروی صاحب کا کلام نقل کر چکے ہیں کہ انسان کو اپنے والدین، بھائی بہن سے دختر و فرزند سے کمال درجہ کی محبت ہوتی ہے پھلواروی نے یہ کہہ کر ماں بہن اور بیٹی کو محبوبہ کہ دیا۔ کیونکہ اگر وہ محبوبہ نہیں تو ان کے ساتھ کمال درجہ کی محبت کیسے ہو سکتی ہے؟

اگر پھلواروی صاحب اپنے اوپر یہ الزام قبول کرنے کو تیار نہیں تو درودِ تاج کے مؤلف پر یہ الزام رکھنا سراسر نا انصافی نہیں تو کیا ہے؟

تیرھواں اعتراض اور اس کا جواب

”مَحْبُوبٌ رَّبِّ الْمَشْرِقَيْنِ“

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں محبوب کا لفظ لفظتہً تو غلط نہیں ہو سکتا۔ لیکن آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہ لفظ میری ناقص نگاہوں سے نہیں گزرا۔ صحابہ کرام ”خَلِیْلٌ“ یا ”حَبِیْبٌ“ تو کہتے تھے لیکن ”مَحْبُوبٌ“ و ”مَعشُوقٌ“ کبھی نہ کہا۔ انتہی کلام۔

پھلواروی صاحب کے آخری جملے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو محبوب کہنا اور معشوق کہنا دونوں کا حکم ایک ہے۔ لفظ معشوق کے متعلق تو ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں یہ لفظ کہنا انتہائی بدتمیزی ہے۔ بجز کسی بے حواس کے کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معشوق نہیں کہہ سکتا۔ لیکن لفظ محبوب کو بھی اس کے ساتھ ملا دینا انتہائی جسارت ہے۔ کیا پھلواری صاحب نے یہ سمجھ لیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثناء میں کوئی ایسا لفظ جائز نہیں جو صحابہ نے نہ کہا ہو؟

عدم ورود دلیل عدم جواز نہیں

اگر واقعی وہ یہ سمجھتے ہیں تو بہت بڑی غلطی میں مبتلا ہیں متقدمین و متاخرین علماء و صلحاء امت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و ثناء میں بے شمار ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جو صحابہ کرام سے ثابت نہیں۔ مثلاً ”وَسَيَّلْتِي“ ”مُحْسِنِ اعْظَمُ“ ”إِمَامُ الْأَنْبِيَاءِ“ جن پر آج تک کسی نے انکار نہیں کیا۔ اور وہ بلاشبہ جائز ہیں۔ ہاں! ایسا کوئی لفظ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایان شان نہ ہو کسی کے نزدیک جائز نہیں نہ درودِ تاج میں کوئی ایسا لفظ وارد ہوا۔

پھلواری صاحب کے اس آخری جملے سے کچھ ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہونے کا تصور ان کے لئے معاذ اللہ سوہانِ روح ہے۔



چودھواں اعتراض اور اس کا جواب

”جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ“
حسین کریمین بلکہ جمیع
امت مسلمہ باعثِ فخر

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: ”رسمِ دنیا کے مطابق چھوٹا اپنے بڑوں کے لئے باعثِ فخر ہو سکتا ہے۔ لیکن صرف اس وقت جبکہ وہ مجموعی حیثیت سے یا کسی خاص امتیازی کارگزاری میں اپنے بزرگوں سے آگے نکل جائے۔ یا کم از کم ان کے برابر ہو جائے یا کسی ایسے وصف کا مالک ہو جائے جو اس کے بڑوں کو حاصل ہی نہ ہوا ہو۔ نواسٹہ رسول ہونا حضراتِ حسین کے لئے باعثِ فخر ہو سکتا ہے لیکن آنحضرت کے لئے حسین کا نانا ہونا قطعاً کوئی شرف نہیں۔ مہاجرین و انصار کو چھوڑ کر کسی ایسے کو باعثِ فخر بنانا جو نہ مہاجر ہے نہ انصار۔ یقیناً ایک ایسی غالیانہ ذہنیت کا غماز ہے جس کا اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں۔“ (المحضّا)

پھلواروی صاحب نے رسمِ دنیا کا سہارا لے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ دین کے کسی گوشے میں انہیں پناہ نہیں ملی۔ ذرا دین کے میدان میں آئے ہم آپ کو بتائیں گے کہ کسی کا باعثِ فخر ہونا ہرگز اس بات کو مستلزم نہیں کہ جس شخص کے باعثِ فخر کیا جائے وہ فخر کرنے والے سے افضل یا اس کے برابر ہو۔ دیکھیے حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا: ”إِنِّي مُكَاثِّرٌ بِكُمْ الْأَنْبِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“۔ میں تمہارے باعثِ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام پر فخر کروں گا۔ (مسند احمد جلد ۳ ص ۲۴۵ طبع بیروت) اور ترمذی میں ہے: ”إِنِّي مُكَاثِّرٌ بِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ“ میں تمہارے باعثِ فخر کروں گا (ترمذی جلد ۳ ص ۳ طبع دہلی)

اور ابوداؤد میں ہے فَإِنِّي مُكَاثِّرٌ بِكُمْ بے شک میں تمہارے سبب فخر کروں گا (ابوداؤد، جلد ۲۸، طبع اصح المطابع کراچی) یہی الفاظ نسائی میں بھی ہیں (جلد ۲ ص ۵۹ طبع دہلی) اور مسند احمد میں ایک دوسری جگہ وارد ہے۔ وَ مُكَاثِّرٌ بِكُمْ میں تمہاری وجہ سے فخر کروں گا۔ (ص ۳۵۱ جلد ۴ طبع بیروت) اور ابن ماجہ میں ہے وَإِنِّي مُكَاثِّرٌ بِكُمْ إِلَّا مَمَرٌ اور بے شک میں تمہارے باعث دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔ (ابن ماجہ جلد ۲ ص ۲۹۱ طبع اصح المطابع کراچی)

کتب احادیث میں روایات منقولہ بتفاوتِ یسیر متعدد مقامات پر مختلف صحابہ کرام سے مرفوعاً وارد ہیں جن کی دلالت قطعاً سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہے۔ حسنینِ کریمین، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہونے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی بھی ہیں۔ صرف صحابی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولادِ امجاد اور اہل بیتِ اطہارؑ کا شرف بھی انہیں حاصل ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہے تو حسنینِ کریمین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بطریقِ اولیٰ باعثِ فخر ہیں جبکہ امت کے کسی ایک فرد کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر ہونا بھی ممکن نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً افضل المخلوق ہیں۔

ثابت ہوا کہ حسنینِ کریمین کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہونا ہرگز اس بات کو متلزم نہیں کہ معاذ اللہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر ہوں۔ پھلوارومی صاحب

کی غلط فہمی یہ ہے کہ انہوں نے حسنین کریمین کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے افضل ہونے کو مستلزم سمجھ لیا اور یہ قطعاً غلط ہے۔ دیکھیے حدیث شریف میں وارد ہے ”إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَبَاهِي بِكُمْ الْمَلَائِكَةَ“ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے میرے صحابہ بے شک اللہ عزوجل تمہارے باعثِ ملائکہ پر فخر فرماتا ہے۔ یہ حدیث مسلم شریف جلد ۲ ص ۳۲۶ (طبع اصح المطابع کراچی) اور مسند امام احمد جلد ۲ ص ۱۸۶، ص ۱۸۷ (طبع بیروت) پر وارد ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ امت محمدیہ، اللہ تعالیٰ کے لئے بھی باعثِ فخر ہے۔ کیا پھلواروی صاحب معاذ اللہ یہاں بھی اس استلزام کو تسلیم کریں گے؟ (العیاذ باللہ)۔ ذرا غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ حضور کی امت پر اللہ تعالیٰ کا فخر فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کی علوِ شان کی دلیل ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے امت محمدیہ کو یہ فضل و شرف عطا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کے باعثِ ملائکہ پر فخر فرماتا ہے معلوم ہوا کہ حسنین کریمین اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقی امت کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہونا حضور سے افضل ہونے کو مستلزم نہیں بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت کو مستلزم ہے۔ کیونکہ ان حضرات کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے باعثِ فخر ہونا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے فیض اور نسبت کی وجہ سے ہے اگر امت کی اضافت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نہ ہوتی یا حسنین کریمین کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ ہونے کی نسبت حاصل نہ ہوتی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض سے محروم ہوتے تو ان میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے باعثِ فخر نہ ہو سکتا تھا۔ جس سے

ظاہر ہوا کہ درحقیقت یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی فضیلت ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر فضیلت اللہ تعالیٰ کی عظمتِ شان کی دلیل ہے کہ اسی نے اپنے محبوب کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں ”جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ“ کے الفاظ محض بطور لقب اور تعریف استعمال ہوئے ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک ”أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ“ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۱۷) طبع اصح المطابع کراچی۔ صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۰ طبع اصح المطابع کراچی) ”جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ“ کے الفاظ ہوں یا ”انا ابن عبد المطلب“ کے نوری کلمات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حصولِ فضل و شرف کے معنی کا ان سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

اس کے بعد آگے چل کر ”جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ“ کے الفاظ کو پھلواروی صاحب غالیانہ ذہنیت کا غماز قرار دے رہے ہیں جبکہ حسنین کریمین کے تمام فضائل و مناقب کو نظر انداز کر کے ان کے مہاجر و انصار نہ ہونے کا ذکر جس انداز میں پھلواروی صاحب نے کیا ہے۔ وہ خود اہل بیت اطہار کے حق میں ان کی متعصبانہ ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے۔ فیاللعجب۔

۱۵/
پندرھواں اعتراض اور اس کا جواب

نام مخفی رکھنے کی توجیہ

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: میں ابھی تک درودِ تاج کے اصلی مصنف کا نام معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ غالباً نام مخفی رکھنے ہی میں مصلحت ہو

گی تاکہ خوش عقیدہ لوگوں میں آسانی سے مقبول ہو کر رائج ہو جائے۔ (انتہی)۔
پھلواری صاحب اپنی ناکامی کی جھنجلاہٹ میں ایسے برے کہ گویا ان کے
کان میں کسی نے کہہ دیا کہ درودِ تاج کے مؤلف نے خود اپنا نام مخفی رکھا ہے۔
بالفرض ایسا ہو بھی تو ان کے حق میں اس سوء ظن کا کیا جواز ہے کہ انہوں نے خوش عقیدہ
لوگوں میں اسے رائج اور مقبول بنانے کے لئے اپنا نام مخفی رکھا ہے۔ کیا ان کے
حق میں بحیثیت مؤمن ہونے کے یہ حسن ظن درست نہیں کہ محض ریا اور سمعہ سے
بچنے کے لئے اپنا نام چھپایا ہو؟ کیسی عجیب بات ہے کہ کسی مؤلف کا نام معلوم
نہ ہو سکے تو یہ سمجھ لیا جائے کہ اپنی تالیف کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے مؤلف
نے اپنا نام مخفی رکھا ہے۔ درودِ تاج تو چند سطور پر مشتمل ہے۔ فنونِ عربیہ میں کئی ایسی
کتابیں مرقع و مقبول ہیں۔ مثلاً میزان الصرف، شرح مائتہ عامل، پنج گنج وغیرہ
جن کے مؤلفین کے نام آج تک متعین ہو کر عام طور پر سب اہل علم کو معلوم نہ
ہو سکے۔ تو کیا بقول پھلواری صاحب یہی کہا جائے گا کہ ان لوگوں نے خوش
عقیدہ عوام میں اپنی تالیفات کو مقبول اور مرقع کرنے کے لئے اپنے ناموں کو مخفی
رکھا؟ ذرا سوچئے! یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہے۔

۱۶

سولہواں اعتراض اور اس کا جواب

وظائف اولیاء کی زبان کو گھٹیا کہنا

فرماتے ہیں: ”ایسے ایسے کئی وظائف عوام میں رائج ہو گئے ہیں جن کا نہ
سر ہے نہ پیر۔ ان کی عربی زبان بھی نہایت گھٹیا قسم کی ہے۔ بلکہ بعض وظائف تو
سراسر مشرکانہ قسم کے ہیں“ انتہی۔

میں عرض کروں گا کہ درودِ تاج اور اس جیسے وظائفِ صلحاء امت کو گھٹیا قسم کی زبان کہنا انتہائی گھٹیا ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ جیسا کہ ہمارے جوابات سے واضح ہے۔ بقیہ وضاحت عنقریب آرہی ہے۔ بے شک جہلاءِ عوام میں بکثرت بے سرو پا مشرکانہ وظائف و عملیات رائج ہیں جو سحر، جادو اور ٹونہ کے اقسام سے ہیں۔ صلحاء امت نے نہ انہیں کبھی قبول کیا نہ وہ قبول کرنے کے لائق ہیں۔ لیکن درودِ تاج اور اس جیسے وظائفِ اولیاءِ کرام کو ان سے کیا نسبت؟۔ وہ تو علماء و صلحاء امت کے مقبول اور پسندیدہ معمولات میں سے ہیں۔ خود پھلواروی صاحب کے بزرگوار اور پیر و مرشد بھی درودِ تاج کی کمال عظمت اور مقبولیت کے قائل ہیں۔ ان کے اپنے پمفلٹ میں یہ مضمون موجود ہے کہ خسروی صاحب نے ایک خط کے ذریعے ان سے پوچھا: ”مولانا قاری شاہ سلیمان صاحب پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”صلوٰۃ و سلام“ میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ سید ابوالحسن شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درودِ تاج نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں زیارت کے وقت پیش کیا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس درود کے لئے منظوری عطا فرمائیے کہ یہ ایصالِ ثواب کے وقت ختم میں پڑھا جایا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا۔ انتہی کلامہ ص ۱۳۔

پھلواروی صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں: غلطی بہر حال غلطی ہے خواہ کسی سے اس کا صدور ہو۔ حضرت قبلہ مولانا شاہ سلیمان پھلواروی میرے مرشد بھی ہیں اور پیر بزرگوار بھی۔ مجھے ان سے بے حد عقیدت ہے۔ لیکن ایسی اندھی عقیدت بھی نہیں کہ انہیں معصوم عن الخطاء سمجھنے لگوں۔

انتہی کلامہ ص ۱۴۔

پھلواروی صاحب کا اپنے مرشد کو مشرک بتانا

پھلواروی صاحب نے اس جواب میں اپنے ”خلفِ رشید“ مریدِ صادق اور بے حد عقیدت مند ہونے کا جو مظاہرہ کیا ہے اس کی مثال نہیں۔ بے شک ان کے پدرِ بزرگوار معصوم عن الخطاء نہیں۔ لیکن خطاء کے مدارج ہیں۔ جس خطاء کا صدور ایک مبتدی طالب علم سے بھی متصور نہ ہو۔ پھلواروی صاحب کا اس میں اپنے پدرِ بزرگوار صاحبِ فضل و کمال، مرکزِ عقیدت، مرشدِ کامل کو عمر بھر مبتلا سمجھنا مقامِ حیرت نہیں۔ تو کیا ہے؟

یہی نہیں بلکہ عمر بھر انہیں درودِ تاج کے مشرک نہ ہونے کا بھی علم نہ ہوا۔ گویا وہ شرک و توحید میں بھی امتیاز نہ کر سکے۔ بلکہ ایک غلط سلط مشرک نہ کلام کا بارگاہِ رسالت میں مقبول و منظور ہونا بھی انہوں نے تسلیم کر لیا۔ حتیٰ کہ اپنی کتاب ”صلوٰۃ و سلام“ میں بلا نیکر اسے درج کر دیا۔

ع۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ لبو العجبی است

پھلواروی صاحب نے درودِ تاج کے علاوہ صالحینِ امت کے دیگر کئی معمولات کی بھی سخت مذمت کی ہے اور انہیں مشرک نہ قرار دیا ہے۔ اور ان کا مذاق اڑا کر عامۃ المسلمین کی نظروں میں انہیں بے وقعت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مگر یاد رہے کہ ان کی عظمت و مقبولیت کو نقصان پہنچانا پھلواروی صاحب کے بس کا روگ نہیں۔ ۷

اگر گیتی سراسر بادِ گیرد
چراغِ قدسیاں ہرگز نہ میرد

سترھواں اعتراض اور اس کا جواب

وظائف اولیاء کو خلاف قرآن و سنت کہنا

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں ”ان وظائف کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اہل توحید کو قرآنی دعاؤں اور ماثورہ ادعیہ سے ہٹا دیا جائے۔“
میں عرض کروں گا یہ کوئی نئی بات نہیں۔ منکرین حدیث بھی یہی کہا کرتے ہیں کہ احادیث کا ذخیرہ گھڑنے کا مقصد یہی ہے کہ اہل قرآن کو قرآن سے ہٹا دیا جائے۔

اٹھارہویں اعتراض کا جواب

”يَا أَيُّهَا الْمُشْتَاقُونَ بِنُورِ جَمَالِهِ“

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: کس مبتدی طالب علم کو یہ نہیں معلوم کہ مشاق کا صلہ ”الی“ ہوتا ہے ”ب“ نہیں ہوتا؛ اتنی بھونڈی بھونڈی غلطیاں کوئی اہل علم نہیں کر سکتا۔

یہ اعتراض پھلواروی صاحب کی لاعلمی پر مبنی ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ یہاں ”الْمُشْتَاقُونَ“ ”الْعَاشِقُونَ“ کے معنی کو متضمن ہے۔ اور ”عشق“ کا صلہ ”ب“ آتا ہے ”الی“ نہیں آتا۔ قاموس میں ہے عَشِقَ بِہ
جلد ۳ ص ۱۲۶۵ نیز تاج العروس جلد ۱۳ ص ۱۱۳ اور اقرب الموارد جلد ۲ ص ۷۸۶
میں بھی عشق کا صلہ ”ب“ مذکور ہے شاید پھلواروی صاحب اتنا بھی نہیں

سمجھتے کہ جب کوئی لفظ کسی دوسرے لفظ کے معنے کو متضمن ہو تو اس کے صلہ میں وہی حرف آئے گا جو اس دوسرے لفظ کے صلہ میں آتا ہے۔ قرآن و حدیث میں بھی اس کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **أَجَلٌ لَّكُمْ لَيْلَةٌ الصِّيَامِ الزَّفَتْ إِلَى نِسَائِكُمْ**۔ آیت (پ البقرہ) کس مبتدی طالب علم کو معلوم نہیں کہ زَفَتْ کا صلہ ”ب“ آتا ہے ”اے“ نہیں آتا۔

لسان العرب میں ہے ”وَقَدْ زَفَتْ بِهَا“ (جلد ۲ ص ۱۵۴) چونکہ آیت کریمہ میں لفظ زَفَتْ ”إِفْضَاءً“ کے معنے کو متضمن ہے جس کا صلہ الی آتا ہے۔ لسان العرب میں ہے أَفْضَيْتُ إِلَى الْمَرْأَةِ (جلد ۲ ص ۱۵۴)۔ اس لئے آیت کریمہ میں لفظ زَفَتْ کا صلہ الی وارد ہوا۔

حدیث شریف وارد ہے بِشَكْوَةِ شَرِيفٍ مِّنْهُ هِيَ حَصْرَفٌ قَلْبِي عَلَى طَاعَتِكَ (ص ۲۱) کس مبتدی طالب علم کو معلوم نہیں کہ حَصْرَفٌ کا صلہ الی آتا ہے علی نہیں آتا۔ مگر چونکہ یہ لفظ شَبَّثُ کے معنے کو متضمن ہے جس کا صلہ علی ہے۔ اس لئے حدیث پاک میں الی کی بجائے علی وارد ہوا۔

کیا پھلواری صاحب قرآن و حدیث کے الفاظ کو بھی معاذ اللہ بھونڈی غلطیاں قرار دیں گے؟ اگر نہیں تو انہوں نے ”مشتاقون“ کے صلہ کو جو بھونڈی غلطی قرار دیا ہے تسلیم کر لیں کہ درود تاج کی بجائے یہ ان کی اپنی بھونڈی غلطی ہے۔

الحمد للہ ہم نے درود تاج سے متعلق ان کے ہر اعتراض کا جواب مکمل و مدلل لکھ دیا۔ اور ساتھ ہی پھلواری صاحب کے اعتراضات بھی انہی کے الفاظ میں نقل کر دیئے ہیں۔

ناظرین کرام سے التماس ہے کہ تعصب سے بالاتر رہ کر عدل و انصاف کی

روشنی میں فیصلہ فرمائیں کہ پھلواروی صاحب کے سوالات میں طالب علمانہ تفسار ہے یا دلی تعصب و عناد کا اظہار؟۔

ہمارے جوابات کی روشنی میں آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ پھلواروی صاحب نے درودِ تاج میں جن اغلاط کی نشان دہی کی ہے۔ وہ اغلاط نہیں بلکہ پھلواروی صاحب کی لاعلمی اور متعصبانہ ذہنیت کا شاہکار ہیں۔

انیسواں اعتراض اور اس کا جواب

غلطی کا انکشاف

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: ”یہ کوئی ضروری نہیں کہ آج اگر کوئی بات کسی پر منکشف ہوئی ہو تو لازماً گزشتہ بزرگوں پر بھی منکشف ہو چکی ہو خود میں بھی اب تک درودِ تاج کو ایک آسمانی اور الہامی قسم کی چیز سمجھتا تھا۔ لیکن جب حقیقت حال منکشف ہو کر سامنے آگئی تو ا من بعد ما جاءنی من العلم اپنے قدیم خیال پر جمے رہنے کا کوئی جواز نظر نہیں آیا۔“ انتہی کلام ہونے کے باوجود اگر میرے مرشد اور پد زبیر گوار اور مرکز عقیدت شاہ سلیمان صاحب پھلواروی پر وہ منکشف نہیں ہوئیں اور مجھ پر ان کا انکشاف ہو گیا۔ تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ”یہ کوئی ضروری نہیں کہ آج اگر کوئی بات کسی پر منکشف ہوئی ہو تو لازماً گزشتہ بزرگوں پر بھی منکشف ہو چکی ہو۔“ میں عرض کروں گا کہ یہ کیا ضروری ہے کہ آج اگر کسی کلام میں کوئی غلطی نکالے تو لازماً گزشتہ بزرگوں نے بھی اسے غلطی کہا ہو؟ ممکن ہے کہ اس کلام

کو غور و فکر سے دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود بھی گزشتہ بزرگوں کے نزدیک وہ چیز غلطی نہ ہو۔ جسے آج کوئی شخص غلطی کہہ رہا ہے ؛ امور غیبیہ اور حقائق غامضہ خفیہ اور مسائل دقیقہ کے بارے میں تو پھلواروی صاحب کی یہ بات کسی حد تک تسلیم کی جاسکتی ہے کہ ان میں سے کوئی غیبی حقیقت یا بہت باریک و دقیق ، پوشیدہ بات گزشتہ بزرگوں پر منکشف نہ ہوئی ہو اور بعد میں بذریعہ الہام یا غور و خوض کرنے سے کسی پراس کا انکشاف ہو جائے۔ لیکن جو بات ابتدائی طالب علم اور معمولی عربی دان بھی جانتا ہو۔ وہ گزشتہ علماء و سخیں اور بزرگان دین پر مخفی رہے۔ اور مدتوں بعد کسی پراس کا انکشاف ہو۔ قابل فہم نہیں۔ پھلواروی صاحب جن کے سامنے درودِ تاج رہا اور وہ اب تک اسے آسمانی اور الہامی چیز سمجھتے رہے کیا وہ اپنی عمر کے اس طویل زمانے میں ایک معمولی عربی دان اور مبتدی طالب علم کی استعداد بھی نہ رکھتے تھے کہ درودِ تاج کی بھونڈی بھونڈی غلطیاں بھی انہیں نظر نہیں آئیں۔ اور اب اچانک ان کے پاس نہ معلوم کہاں سے ایسا علم آ گیا کہ درودِ تاج کی غلطیاں ان پر منکشف ہو گئیں جس کی وجہ سے انہیں اپنے قدیم خیال پر جبرے رہنے کا کوئی جواز نظر نہ آیا۔

ناظرین غور فرمائیں کہ پھلواروی صاحب کی یہ بات کہاں تک قابل فہم ہے حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس سارے کلام میں محض سخن سازی سے کام لیا ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔



۲۰ بیسواں اعتراض اور اس کا جواب

غلط انتساب

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: ”غلط انتساب کی ایک نہیں ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ کسی چیز کو مقبول بنانے کے لئے کسی مقبول شخصیت کی طرف منسوب کر دینے کا رواج کوئی نیا نہیں بہت قدیم ہے۔ روحانی اشارات، کشف اور خواب وغیرہ اس مقصد کے لئے گھڑ لئے جاتے ہیں۔ موثر قصے بھی تصنیف کر لئے جاتے ہیں۔“
انتہی کلاماً۔

پھلواروی صاحب کی خدمت میں نہایت ادب سے گزارش ہے کہ صلحاء امت کے وظائف اور درودِ تاج آپ کے نزدیک مشرکانہ اور غلط سلط ہیں۔ سب کا مقصد آپ کے نزدیک یہی ہے کہ اہل توحید کو قرآن اور ادعیہٴ ماثورہ سے ہٹایا جائے مگر اسی درودِ تاج کی مقبولیت کے ثبوت میں یہ قصہ آپ کے پدر بزرگوار، مرشدِ کامل اور مرکزِ عقیدت نے اپنی کتاب ”صلوٰۃ و سلام“ میں تحریر فرمایا ہے۔ آپ اس قصے کو جھوٹا اور من گھڑت بتا رہے ہیں۔ لاکھ دفعہ آپ اسے جھوٹا اور من گھڑت کہیں مگر اتنی بات بتا دیجئے کہ مشرکانہ، غلط سلط اور قرآن و حدیث سے ہٹانے والے درودِ تاج کی مقبولیت کے ثبوت میں اس قصے کو لکھنے والا، مرشدِ کامل اور مرکزِ عقیدت ہو سکتا ہے؟۔ آپ کا صرف یہ کہہ دینا کہ میں انہیں معصوم عن الخطاء نہیں سمجھتا۔ کافی نہیں۔ آپ کو یہ دیکھنا ہو گا کہ ان کی یہ خطا کس نوعیت کی ہے؟ کیا مشرکانہ کلام کی تائید عقیدہٴ توحید کے منافی نہیں؟ شرک کو آپ توحید کی نفی نہیں مانتے؟ شرکیہ کلام کی فضیلت و مقبولیت ثابت کرنا بھی شرک ہے

گویا آپ نے اپنے مرکزِ عقیدت کو خطا، شرک سے محفوظ نہیں سمجھا۔ قرآن سے ہٹانے والے کلام کی مقبولیت و فضیلت کا اثبات قرآن سے بغاوت ہے جس کا مرتکب گویا آپ نے اپنے پدر بزرگوار، مرکزِ عقیدت اور مرشدِ کامل کو ٹھہرایا۔ آپ کے لئے اس الزام سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ آپ نے جو خطا اپنے مرکزِ عقیدت سے منسوب کی ہے۔ آپ اس سے رجوع فرمائیں۔ ورنہ اس خطا کے وبال سے آپ کا محفوظ رہنا بھی ممکن نہیں کیونکہ اس عظیم خطا اور سے عقیدت رکھنا بھی خطا، عظیم ہے۔

۲۱ اکیسواں اعتراض اور اس کا جواب

قواعد صرف و نحو قطعی نہیں

اس کے بعد پھلواردی صاحب فرماتے ہیں: ”عربی قواعد صرف و نحو قطعی نہیں یقینی ہیں۔ اگر ان قواعد کو قطعی مانا جائے تو قرآن و حدیث کی زبان ہی قطعی اور مشکوک ہو جاتی ہے۔“ انتہی کلامہ

پھلواردی صاحب کی یہ بات انتہائی مضحکہ خیز ہے جن قواعد کو وہ یقینی کہہ رہے ہیں۔ اہل فن کے شدید اختلافات ان میں پائے جاتے ہیں۔ نحو کی کوئی چھوٹی بڑی کتاب ایسی نہیں جس میں یہ اختلافات مذکور نہ ہوں۔ آئمہ فن کے اقوال مختلف بالخصوص ان مسائل میں بصریین اور کوفیین کے اختلافات کثیرہ سے فن کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ علامہ ابن خلدون نے بھی وضاحت کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے۔ فنِ نحو پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابن خلدون نے اس فن کے علماء بالخصوص بصریین۔ کوفیین کے نحوی اختلافات کا ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ثُمَّ طَالَ الْكَلَامُ

فِي هَذِهِ الصَّنَاعَةِ وَحَدَّثَ الْخِلَافُ بَيْنَ أَهْلِهِمَا فِي الْكُوفَةِ وَالْبَصْرَةِ
الْمِصْرَيْنِ الْقَدِيمَيْنِ لِلْعَرَبِ - (پھر اس فن میں ان کا کلام بہت طویل
ہو گیا۔ کوفہ اور بصرہ کے ان علماء کے درمیان مسائل فن میں اختلافات پیدا ہوئے
یہ دونوں شہر عرب کے قدیم شہروں میں سے ہیں) (مقدمہ ابن خلدون ص ۵۴)
طبع بیروت باب نمبر ۶ فصل ۱۲) کون نہیں جانتا کہ یقینی امور اختلاف کے
شائبہ سے پاک ہوتے ہیں۔ دو اور دو کا چار ہونا یقینی ہے کسی کو اس میں اختلاف
نہیں ہو سکتا۔ پھلواروی صاحب اگر ان اختلافات سے باخبر ہوتے تو قواعد
صرف و نحو کو یقینی کہنے کی کبھی جسارت نہ فرماتے۔

رہا ان کا یہ کہنا کہ ”اگر ان قواعد کو ظنی مانا جائے تو قرآن و حدیث کی
زبان ہی ظنی اور مشکوک ہو جاتی ہے“ پھلواروی صاحب کی لاعلمی پر مبنی ہے
قرآن کی زبان عین قرآن ہے جس کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ ارشاد ہوا :-
إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (پہا الحجر آیت نمبر ۱)
”ہم ہی نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں“ قرآن کا ایک ایک
حرف اور ایک ایک حرکت و سکون قطعی اور یقینی ہے۔ ساتوں متواتر قرائتیں یقینی
اور قطعی ہیں محض تعدد کی وجہ سے انہیں مختلفہ کہا جاتا ہے۔ جیسے قرآن مجید کی
آیتوں اور سورتوں کو آیات مختلفہ و سورت مختلفہ کہہ دیا جاتا ہے۔ ان کے صحیح اور یقینی
ہونے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں جس کی دلیل ان کا تواتر ہے۔ اہل علم سے مخفی
نہیں کہ تواتر مفید یقین ہوتا ہے۔

ثابت ہوا کہ قرآن کی زبان کا یقینی ہونا تواتر سے ثابت ہے۔ اس کے
یقینی ہونے کو صرف و نحو کے ایسے قواعد پر مبنی کہنا جو اختلاف کثیر کی وجہ سے
خود ظنی ہیں۔ قرآن اور اس کی زبان کو ظنی قرار دینے کے مترادف ہے پھلواروی صاحب

کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن و حدیث قواعد کے تابع نہیں بلکہ صرف و نحو کے قواعد قرآن و حدیث کے تابع ہیں۔ متبوع اصل ہوتا ہے اور تابع اس کی فرع۔ فرع کا وجود ہمیشہ اصل کے بعد ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث کی زبان پہلے سے موجود تھی۔ صرف و نحو کے قواعد نزول قرآن کے مدتوں بعد وضع کئے گئے۔

علامہ ابن خلدون کہتے ہیں کہ جب اسلام آگیا اور مسلمانان عرب فتوحات کے لئے عجم کی طرف بڑھے۔ اور ان کے اختلاط کے باعث یہ خطرہ انہیں لاحق ہوا کہ عرب کا فطری لسانی ملکہ عجم سے متاثر ہو کر ختم ہو جائے گا۔ بلکہ قرآن کے سمجھنے میں بھی سخت دشواری پیش آئے گی۔ اس وقت اہل علم نے کلام عرب کو سامنے رکھ کر نحو کے ابتدائی قواعد وضع کئے مثلاً ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ اور مفعول منصوب۔ علم نحو میں سب سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشورہ سے ان کی خلافت کے اواخر میں ابوالاسود الدؤلی نے قلم اٹھایا۔ (ملخصاً) (مقدمہ ابن خلدون عربی ص ۵۴۶ طبع بیروت۔ باب نمبر ۶ فصل نمبر ۳) خلاصہ یہ کہ اُس علم نحو کے ابتدائی قواعد کی تدوین کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے تقریباً تیس پینتیس سال بعد عمل میں آیا جس پر پھلواری صاحب قرآن و حدیث کی زبان کے یقینی ہونے کا انحصار فرما رہے ہیں۔

فاظربین ! غور فرمائیں کہ پھلواری صاحب کی یہ بات کس قدر غلط، بے بنیاد اور مضحکہ خیز ہے۔



۲۲ بائیسواں اعتراض اور اس کا جواب

درودِ تاج ہر طرح کی غلطی سے مبرا ہے

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: ”درودِ تاج اگر الہامی بھی ثابت کر دیا جائے تو اس کی سانی غلطی، غلطی ہی رہے گی اور لغوی غلطی کی طرح اعتقادی غلطی بھی غلطی کہی جائے گی۔ محض عوامی مقبولیت کسی چیز کی صحت کی ضمانت نہیں“ انتہی۔
اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مضبوط دلائل کی روشنی میں ہم نے واضح کر دیا کہ درودِ تاج میں کوئی سانی غلطی نہیں رہی اعتقادی غلطی تو درودِ تاج اس سے بھی پاک ہے۔
دراصل پھلواروی صاحب کے دل میں ”دَافِعُ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ وَالْأَلَمِ“ کے الفاظ کانٹے کی طرح چبھ رہے ہیں جنہیں اب تک الہامی سمجھتے رہے۔ مگر بقول ان کے ”من بعد ما جاءني من العلم“ اچانک وہ انہیں مشرکانہ سمجھنے لگے مگر یہ بھی علم کی بجائے ان کی لاعلمی کا نتیجہ ہے۔
کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دافعِ حقیقی نہیں سمجھتا، دافعِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض وسیلہ اور واسطہ ہونے کی حیثیت سے دافعِ مجازی ہیں۔ بایں طور کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دافعِ عذاب کا سبب ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ“ (پہ الانفال) یعنی آپ کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ لوگوں کو عذاب نہیں دے گا۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دافعِ عذاب کا وسیلہ ہیں۔ نیز فرمایا: ”وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ“ (پہ الانفال) اللہ تعالیٰ لوگوں کے استغفار کی وجہ سے بھی

انہیں عذاب نہیں دے گا۔

استغفار بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے ملا۔ اس لئے جب تک
مؤمنین کا استغفار ہے حضور کا وسیلہ برقرار ہے۔ مدینہ دارالہجرت بننے سے
پہلے یَثْرِبُ کہلاتا تھا۔ یثرب کا ماخذ ثَرْب ہے یا ثَثْرِبُ۔ ثرب کے
معنی ہیں فساد۔ وہاں کی ہر چیز فاسد تھی جو وہاں آتا۔ زہریلے بنجار اور شدید
امراض میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ اگر اتفاقاً کوئی وہاں پہنچ جاتا۔ تو لوگ اسے ملامت
کرتے کہ تو یہاں بیماریوں اور زہریلے بنجاروں میں مبتلا ہونے آیا ہے صحابہ
کرام جب وہاں ہجرت کر کے پہنچے۔ انہیں شدید ترین بخار لاحق ہوا۔ وہ
بیماری کی حالت میں مکے کو یاد کر کے روتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم
وہاں تشریف لائے اور حضور نے صحابہ کرام کا یہ حال دیکھا تو حضور نے دُعا
فرمائی۔ اور حضور کے مبارک قدموں کی برکت سے مدینہ کی بیماریاں دور ہوئیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”غُبَارُ الْمَدِينَةِ شِفَاءٌ مِّنَ
الْجُذَامِ“ مدینے کا غبار جذام سے شفاء ہے۔ (الوفاء لابن الجوزی جلد نمبر ۱
ص ۲۵۳۔ وفاء الوفاء جلد ۱ ص ۶۷) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل
مدینے کی مٹی جذام کے لئے شفاء ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل، بلا، وباء، قحط، مرض اور
الَم کے دفع ہونے کی صداقت پر مندرجہ ذیل احادیث شاہدِ عدل ہیں۔
① جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے تشریف لائے۔ حضرت ابو بکر
اور حضرت بلال دونوں کو سخت بخار ہو گیا۔ اُم المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہا
فرماتی ہیں۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں
حاضر ہوئی۔ میں نے حضور کو بتایا۔ حضور نے دعا فرمائی ”اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ

إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ حُبًّا وَصَحَّحُهَا وَبَارِكْ لَنَا فِي
صَاعِهَا وَمَدِينَتِهَا وَأَنْقُلْ حَتَّى هَاهُنَا جَعَلَهَا بِأَلْجُحْفَةِ - " یا اللہ مکے
کی طرح مدینے کو ہمارا محبوب بنا دے۔ بلکہ مکے سے زیادہ۔ اور مدینے
کی آب و ہوا ہمارے لئے درست فرما دے۔ اور اس کے صاع اور
مد یعنی غلہ اور پھلوں میں ہمارے لئے برکت فرما۔ اور مدینے کی بیماریاں
(یہود کی بستی) جحفہ کی طرف منتقل کر دے۔ (بخاری جلد ۱ ص ۵۵۹)

② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ وہ فرماتے
ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا میں نے ایک سیاہ فام
پراگندہ سر عورت کو خواب میں دیکھا جو مدینے سے نکل کر جحفہ میں پہنچ
گئی۔ " فَأَوَّلْتُ أَنَّ وَبَاءَ الْمَدِينَةِ نُقِلَ إِلَيْهَا " میں نے اس کی
یہ تعبیر کی کہ مدینے کی وباء جحفہ کی طرف چلی گئی۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۰۴۲)
③ یزید بن ابی عبید فرماتے ہیں: میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی پنڈلی میں تلوار کی ضرب کا نشان دیکھا۔ اس نشان کے متعلق میں نے
ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تلوار کی اس ضرب کا نشان ہے۔ جو
مجھے خیبر میں لگی تھی۔ یہ ایسی ضرب تھی کہ لوگ کہنے لگے بس سلمہ اب شہید
ہوئے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر
ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں تین مرتبہ پھونکا اس
وقت سے اب تک مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔

(بخاری جلد ۲، ص ۶۰۵۔ مشکوٰۃ ص ۵۳۳)

④ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ البورافع یہودی کو قتل کر کے مدینے
سے نیچے اتر رہے تھے کہ اچانک گرے اور انکی پنڈلی ٹوٹ گئی۔ وہ فرماتے ہیں

میں نے اسے اپنے عمامہ سے باندھ دیا۔ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا ”اُبْسَطْ رِجْلَكَ فَبَسَطْتُ رِجْلِي فَمَسَحَ مَا فَكَانَتْ عَالَمٌ اَشْتَكَلَهَا قَطُّ“ اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے اپنا پاؤں پھیلا دیا۔ حضور علیہ السلام نے میری پنڈلی پر مبارک ہاتھ پھیر دیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی تکلیف کبھی پہنچی ہی نہ تھی۔ (بخاری جلد ۲ ص ۵۷، ۵۸)

⑤ مسلم شریف میں ایک طویل حدیث وارد ہے جس کے آخری حصے کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عطاء حضرت اسماء کے پاس حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جبہ نکالا اور فرمایا: ”كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَلْبِسُهَا فَتُخَنُّ نَعْسِلُهَا لِلْمَرْحُومِ لِنَشْتَفِي بِهَا“ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پہنتے تھے اور تم اس جبے کو پانی سے دھو لیتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے اپنے بیماروں کے لئے شفا حاصل کریں۔ (مسلم شریف جلد ۲ ص ۱۹۰)

⑥ صحیحین و دیگر کتب احادیث میں باسانید کثیرہ یہ مضمون وارد ہے کہ عہد رسالت میں مدینے میں قحط پڑا خطبہ جمعہ کے موقع پر حضور سے باران رحمت کی دعا کے لئے عرض کیا گیا۔ حضور نے دعا فرمائی اور فوراً ہی باران رحمت شروع ہو گئی اور اس کثرت سے بارش ہوئی کہ اگلے جمعہ کے موقع پر حضور سے عرض کیا گیا کہ اب تو بارش کی وجہ سے لوگوں کے مکان گرنے لگے۔ آپ دعا فرمائیں کہ بارش رک جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے۔ اور آسمان کی طرف اپنے دونوں مبارک ہاتھ اٹھا کر چاروں طرف اشارہ فرمایا اور دعا فرمائی ”اَللّٰهُمَّ رَحِّمْنَا وَلَا عَلَيْنَا“ حضور کے اشارے کے ساتھ بادل پھٹا گیا۔ اور صاف آسمان گول دائرے کی طرح نظر آنے

نگاہِ مدینہ میں بارش رک گئی۔ آس پاس جاری رہی (بخاری جلد نمبر ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲) قحطِ دفع ہوا۔ اور خشک سالی خوشحالی میں بدل گئی

⑤ سلیمان بن عمرو بن احوص از دی اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رمی جمار کرتے دیکھا۔ رمی جمار فرما کر حضور آگے بڑھے۔ ایک عورت حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ عرض کی حضور! میرا بیٹا فاترِ العقل ہے۔ حضور! اس کے لئے دعا فرمائیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے فرمایا۔ پانی لے آ۔ وہ ایک پتھر کے برتن میں حضور کے پاس پانی لے آئی۔ حضور علیہ السلام نے اس میں لعابِ دہن ڈالا اور اپنا چہرہ نور اس میں دھویا۔ پھر اس میں دعا فرمائی پھر فرمایا یہ پانی لے جا۔ ”فَاغْسِلِيْهِ بِهٖ وَاسْتَشْفِيْ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ“ اس پانی سے اسے غسل دے اور اللہ سے شفاء طلب کر۔ اس حدیث کی روایت کرنے والی صحابیہ سلیمان بن عمرو بن احوص کی والدہ نے اس عورت سے کہا میرے اس بیمار بچے کے لئے اس میں سے تھوڑا سا پانی مجھے بھی دے دے۔ وہ فرماتی ہیں۔ میں نے اپنی انگلیوں سے تھوڑا سا پانی لے کر اپنے بیمار بیٹے کے بدن پر مل دیا۔ چنانچہ وہ اعلیٰ درجہ کا تندرست ہو گیا۔ فرماتی ہیں۔ اس کے بعد میں نے اس عورت سے پوچھا کہ اس کے بیٹے کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا! وہ بہترین صحت کے ساتھ صحتیاب ہو گیا۔ (مسند احمد جلد ۶ ص ۳۹۹ طبع بیروت)

ناظرین کرام نے آیت قرآنیہ اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں ملاحظہ فرمالیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلاء و وباء، قحط و مرض اور الم کے دفع ہونے کا سبب بنایا۔ دافعِ حقیقی محض اللہ تعالیٰ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمالِ عبدیت کے باعث عونِ الہی کا مظہر
اتم واکمل ہیں۔ اسی اعتبار سے درودِ تاج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو
”دَافِعِ الْبَلَاءِ وَالْوَبَاءِ وَالْقَحْطِ وَالْمَرَضِ وَالْأَلَمِ“ کہا گیا جس میں شرک کا
کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔ بلکہ یہ کمالِ عبدیت کا وہ بلند مقام ہے جس کی تفصیل کتاب
وسنت کے مطابق نادِ علی کی بحث میں آرہی ہے۔

عوامی مقبولیت

پھلواری صاحب کا یہ کہنا کہ ”محض عوامی مقبولیت کسی چیز کی صحت کی ضمانت
نہیں“ اہم اس مقام پر قطعاً نامناسب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ درودِ تاج محض
عوام میں مقبول نہیں بلکہ خواص میں بھی مقبول ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ پھلواری
صاحب کے مرکزِ عقیدت نے اس کی مقبولیت ثابت کرنے کے لئے اپنی کتاب
”صلوٰۃ و سلام“ میں وہ واقعہ لکھا جسے پھلواری صاحب من گھڑت اور ظنی
کہہ رہے ہیں۔ مگر وہ ان کے لکھنے کا انکار نہ کر سکے جس سے صاف ظاہر ہے
کہ پھلواری صاحب کے والدِ بزرگوار جو طبقہ خواص سے ہیں۔ درودِ تاج ان کے
نزدیک مقبول ہے۔ اور وہ اس کی مقبولیت کے قائل ہیں۔ اس کے باوجود پھلواری
صاحب کا یہ کہنا کہ ”محض عوامی مقبولیت کسی چیز کی صحت کی ضمانت نہیں“ گویا
اپنے پیرو مرشد اور مرکزِ عقیدت کو خواص سے خارج کر کے عوام میں شامل کر دینا
ہے۔ جو کسی ”خلفِ رشید“ مریدِ صادق اور بے حد عقیدت رکھنے والے کے شایانِ
شان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ اپنے مرشد کی عظمت کو بُری طرح مجروح کرنے کے مترادف
ہے۔



تیسواں اعتراض اور اس کا جواب

”یا اللہ“ کی ترکیب صحیح ہے

پھلواری صاحب نے درودِ تاج کے علاوہ صلیا، امت اور بزرگانِ دین کے دیگر معمولات اور وظائف پر بھی ایسے ہی لایعنی اور لہجہ اعتراض کئے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ”یا“ عربی لفظ ہے اور اللہ بھی عربی لفظ ہے لیکن ”یا اللہ“ کوئی عربی لفظ نہیں۔ یہ نہ قرآن میں نہ حدیث میں اور نہ عربی لٹریچر میں۔ جب اسے اللہ کہنا مقصود ہو تو اللہ پر نداء کا یا نہیں لاتے بلکہ ایسے موقع پر اللہم کہتے ہیں پس جب وظیفے میں آپ ”یا اللہ“ لکھا ہوا دیکھیں پس سمجھ لیں کہ یہ کسی ایسے عجمی عربی دان کا لکھا ہوا ہے جو عربی زبان کی باریکیوں اور نزاکتوں کا زیادہ فہم نہیں رکھتا۔ اب اس پر خواب، کشف اور برکات و تاثیرات کے کتنے ہی حاشیے چڑھائے جائیں غلطی، غلطی ہی رہے گی۔ درستی نہیں ہو جائے گی۔“

انتہی

فیوض اولیاء سے تنفیر کی سازش

اس کے بعد پھلواری صاحب نے کشف و کرامات اور روحانی فیوض و برکات کا مذاق اڑانے کے لئے واقعہ کے نام سے ایک مضحکہ خیز قصہ لکھ دیا۔ اندازِ تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی اصلیت قلبی عناد ظاہر کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ اگر سے میں سیدنا ابوالاعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک مرجعِ خواجہ و عوام اور ایسی مشہور و معروف زیارت گاہ ہے کہ جس کے متعلق عقل سلیم تسلیم ہی

نہیں کرتی کہ ان کے مزار پر حاضری کے قصد سے جانے والا ملا شوستری کی قبر پر جا کھڑا ہو۔ یہ سارا قصہ محض اس لئے تصنیف کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے، بزرگانِ دین کی مزارات پر حاضری اور فیوض و برکات کے حصول کو محض ایک اضمح کو سمجھ کر اس سے متنفر ہو جائیں۔ بقول پھلواروی صاحب اگر ان امور کی حمایت اور موافقت میں کشف والہام اور خواب گھرے جاسکتے ہیں تو میں عرض کروں گا کہ کیا ان امور کی مخالفت میں اس نوعیت کے قصوں سے حاشیہ آرائی نہیں کی جاسکتی؟ پھلواروی صاحب فرماتے ہیں کہ ”لفظ ”یا“ اور لفظ ”اللہ“ دونوں عربی ہیں مگر یا اللہ کوئی عربی لفظ نہیں“ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ اگر قرآن و حدیث میں ”یا اللہ“ کا لفظ وارد نہیں ہوا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ عربی زبان ہی سے خارج ہو جائے۔ ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ کسی لفظ کا قرآن و حدیث میں وارد نہ ہونا اس کے غلط یا غیر عربی ہونے کو مستلزم نہیں۔ اور یہ بات بالکل بدیہی ہے پھلواروی صاحب ”یا اللہ“ کو غلط قرار دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ عربی لٹریچر میں بھی کہیں اس کا وجود نہیں۔ ان شاء اللہ ہم عنقریب ثابت کریں گے کہ ”یا اللہ“ کی ترکیب خالص عربی ہے اور یہ خالص عربی زبان کا کلمہ ہے عرب کے لوگ ”یا اللہ“ کہتے تھے۔ دیکھئے تفسیر بیضاوی میں ہے: ”وَاللّٰهُ اَصْلُهُ اِلٰهٌ فَحُذِفَتْ اَلْهَمْزَةُ وَعُوِضَ عَنْهَا اَلْاِفُ وَاللّٰمُ وَلِذَلِكَ قِيلَ يَا اَللّٰهُ بِاَلْقَطْعِ“ یعنی لفظ اللہ کی اصل اِلٰہ ہے۔ اِلٰہ کا ہمزہ حذف کر کے الف لام اس کے عوض میں لایا گیا۔ اسی لئے ”یا اللہ“ بالقطع کہا گیا۔ (تفسیر بیضاوی علی ہامش شیخ زادہ جلد ۱ ص ۲۱، ۲۲ طبع ترکی) یعنی اس ہمزہ کو ہمزہ وصلی کی طرح ساقط نہیں کیا گیا بلکہ ہمزہ قطعی قرار دے کر اس کے تلفظ کو برقرار رکھا گیا۔

بیضاوی کے بعد کافیہ کی عبارت بھی ملاحظہ فرمائیجئے۔ علامہ ابنِ حاجب فرماتے ہیں۔ قَالُوا يَا اللَّهَ خَاصَّةً (کافیہ بحث توابع النادی) ملا جامی نے اس کی شرح میں فرمایا ہے: لفظ اللہ اصل میں اِلَہ تھا۔ اِلَہ کا ہمزہ حذف کر کے الف لام اس کے عوض میں لایا گیا۔ جو اس کے لئے لازم ہے اور یا اللہ کہا گیا۔ لفظ اللہ کے سوا کوئی ایسا کلمہ نہیں جس کے الف لام میں عوض اور لزوم دونوں باتیں پائی جائیں۔ کسی جگہ عوض ہے تو لزوم نہیں جیسے النَّاسُ۔ اور کہیں لزوم ہے تو عوض نہیں جیسے اَلنَّجْمُ۔ یہ خاصہ لفظ اللہ کا ہے۔ کہ اس کا الف لام عوض میں بھی ہے اور وہ اس کے لئے لازم بھی ہے۔ اسی لئے خصوصیت کے ساتھ بالقطع ”یا اللہ“ کہا جاتا ہے (شرح جامی ص ۱۱۰-۱۱۱ طبع پشاور)

پھلواروی صاحب عربی زبان میں یا اللہ کا لفظ پلٹے جانے کے منکر ہیں حالانکہ اہل عرب جب اَللّٰهُمَّ کی مسم کو ساقط کر دیتے تھے تو کہتے تھے یا اللہ اِغْفِرْ لِي (لسان العرب جلد ۱۳ ص ۴۷ طبع بیروت) بلکہ یَللّٰہ بھی بعض اہل عرب سے ثابت ہے۔ (جوشاذ ہے) لسان العرب میں ہے: قَالَ الْكِسَاءِيُّ الْعَرَبُ تَقُولُ يَا اَللّٰهُ اِغْفِرْ لِي وَيَللّٰهُ اِغْفِرْ لِي (لسان العرب جلد ۱۳ ص ۴۷ طبع بیروت) آخر میں امام النخاعة ابو بشر عمرو بن عثمان سیبویہ کا ارشاد بھی سن لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں: وَاعْلَمْ اَنَّهُ لَا يَجُوزُ لَكَ اَنْ تُنَادِيَ اسْمًا فِيْهِ الْاَلِفُ وَاللّٰمُ الْبَتَّةُ اِلَّا اَنَّهُمْ قَدْ قَالُوا يَا اَللّٰهُ اِغْفِرْ لَنَا وَذَلِكَ مِنْ قَبْلِ اَنَّهُ اسْمٌ يَلْزَمُهُ الْاَلِفُ وَاللّٰمُ لَا يُفَارِقَانِہُ وَكَثُرَ فِيْہُ كَلَامُہُمْ یعنی جان لو کہ جس اسم پر الف لام ہو (بلا فضل) اسے نداء کہ نا قطعاً جائز نہیں بجز اس کے کہ اہل عرب نے ”یا اللہ اِغْفِرْ لَنَا“ کہا ہے (اے اللہ ہمیں بخش دے)۔ یہ صرف اس لئے کہ لفظ اللہ ایسا اسم ہے جس کے لئے

الف لام لازم ہے کبھی اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اور یہ استعمال ان کے کلام میں بہت کثیر ہے۔ (کتاب سیدویہ جلد ۲ ص ۱۹۵ طبع بیروت)

ان تمام عبارات سے ثابت ہوا کہ ”یا اللہ“ عربی لفظ ہے اور یہ صحیح ہے اسے غلط کہنا قطعاً غلط ہے۔ اہل عرب اللہ کے علاوہ یا اللہ بھی کہتے تھے۔ ان کا مقولہ ”یا اللہ اغفر لنا“ اس کا شاہد ہے۔ اور استعمال ان کے کلام میں کثیر ہے

پھلواروی صاحب کی علمی بے مائیگی پر افسوس ہوتا ہے۔ ”کتاب سیدویہ“ تو درکنار وہ فنون کی متداول کتابوں سے بھی واقف نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے نہ کبھی تفسیر بضاوی دیکھی نہ کافیہ نہ شرح جامی نہ لسان العرب کا دیکھنا انہیں لصب ہوا۔ فوا حسرتا۔

۲۴ چوبیسواں اعتراض اور اس کا جواب

معرف باللام پر دخول حرف نداء

پھلواروی صاحب کہتے ہیں: ”اگر لفظ معرف باللام ہو تو یَا تَہَا آئے گا“ جیسے ”یَا تَہَا النَّبِیُّ“۔ (اس کے بعد فرماتے ہیں) ”صرف اللہ ایک ایسا لفظ ہے جس پر نہ یَا آتا ہے نہ اَیُّہَا اور نہ یَا تَہَا آتا ہے۔ اللہ جب منادی ہو تو اس کے آخر میں مَّ آجاتا ہے۔ یعنی اللہم ہو جاتا ہے“ (ص ۱۸)

پھلواروی صاحب نے اس عبارت میں اپنی علمی بے مائیگی اور نا سمجھی کا مظاہرہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس اسم پر الف لام ہو جیسے التَّجُلُّ،

النَّبِيُّ وَغَيْرِهِ - اس کو نداء کرنے کے لئے اُٹھا کا فاصلہ لانا پڑے گا جیسے
يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ - يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ - (شرح جامی وغیرہ کتب نحو) بجز لفظ اللہ
کے کہ اس کی نداء میں اُٹھا کے بغیر يَا اللّٰهُ کہا جائے گا۔ یا اس کے آخر میں
میتم مشددہ مفتوحہ شامل کر کے اللّٰهُمَّ کہہ کر نداء کی جائے گی۔ یہ دونوں
جائز ہیں۔ اہل عرب کے کلام میں مستعمل ہیں جس کا تفصیلی بیان دلائل کے
ساتھ ہم ابھی ہدیہ ناظرین کر چکے ہیں۔

نَادِ عَلِيًّا

ایک بے بنیاد قصے کی تردید

پھلواری صاحب نے اس عنوان کے تحت صاحبین امت بالخصوص
سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے خلاف دلی نفرت اور بغض و
عناد کا اظہار جس انداز سے کیا ہے۔ محتاج بیان نہیں۔ اس کے پس منظر میں جو
بے بنیاد قصہ روافض سے انہوں نے نقل کیا ہے۔ ہم پر حجت نہیں۔ کسی نے
اس بے بنیاد واقعہ کو غزوہ خیبر سے متعلق کیا اور کسی نے غزوہ تبوک سے
ہمارے نزدیک سراسر یہ قصہ ہی من گھڑت ہے۔ لہذا اس کی بنیاد پر پھلواری صاحب
کا طعن و تشنیع۔ بے محل، لالینی اور لغو ہے۔ ہم اس وظیفہ کے متعلق اتنا
جانتے ہیں کہ یہ بعض صاحبین کے اوراق میں شامل ہے اور بس۔

ناد علی شعر نہیں

ہمارے خیال میں یہ وظیفہ نظم نہیں بلکہ نثر ہے۔ اسے شعر کہنا
درست نہیں شعر اس کلام موزون، مقفیٰ کو کہتے ہیں۔ جو بقصد شعر کہا جائے۔

اگر کوئی کلام یا اس کا کوئی حصہ بلا قصد اتفاقاً موزوں ہو جائے تو اسے
شعر نہیں کہا جاتا۔ آیت قرآنیہ کا ایک حصہ ثُمَّ اَنْتُمْ هُمْ اَلَّذِي تَقْتُلُوْنَ۔
رپ البقرہ آیت نمبر ۸۵ موزوں ہے مگر وہ کلام الہی ہے۔ قصد وزن اور
شعریت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

^{۲۵} پچیسواں اعتراض اور اس کا جواب

پھلواری صاحب نے اس وظیفہ کو شعر سمجھا اور اس بنیاد پر وزن اور
قافیہ کا اعتراض اس پر جڑ دیا۔ جو بِنَاءُ الْفَاسِدِ عَلَى الْفَاسِدِ کا مصداق
ہے جب وہ مانتے ہیں کہ اس میں نہ قافیہ کی رعایت ہے نہ وزن کی۔ پھر
سمجھ میں نہیں آتا کہ کس بنیاد پر وہ اسے شعر سمجھ رہے ہیں؟

^{۲۶} چھیسواں، ستائیسواں، اٹھائیسواں اعتراض اور ان کا جواب

چند بے محل اعتراضات کا اجمالی جواب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے آپ کو مخاطب کرنا اور فتح خیبر کے لئے
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا کافی نہ ہونا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کا مدد کے لئے حضرت علی کو پکارنا پھلواری صاحب کے ایسے اعتراضات
ہیں جن کی بنیاد وہی من گھڑت قصہ ہے جس کی ہم ابھی تکذیب کر چکے ہیں



۲۹ انتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

نام اقدس کے خطاب کرنا

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: پھر دیکھیے کہ کس بدتمیزی سے حضور کو نام لے کر مخاطب کیا جا رہا ہے۔ سارے قرآن میں کہیں حضور کو نام لے کر مخاطب نہیں کیا گیا ہے کسی صحیح حدیث قدسی میں نام لے کر مخاطب نہیں کیا گیا، اے یَا مُحَمَّدُ کے الفاظ کو بدتمیزی کہنا بجائے خود بدتمیزی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ نفس نفیس ”یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلَیَّ رَبِّیْ“ کے الفاظ ایک صحابی کو تلقین فرمائے۔ اس حدیث کو امام ابن ماجہ قزوینی نے اپنی سنن میں روایت کیا اور کہا قَالَ الْبُؤْسُ حَقٌّ هَذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ یعنی ابواسحق نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

راہن ماجہ ص ۱۰۰ طبع اصح المطابع کراچی۔ ص ۴۴، ۴۴۲ طبع بیروت
یہاں یہ ملحوظ رہے کہ آیت کریمہ لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْوَالْآیۃ، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جس نداء اور خطاب کرنے کی نعت آئی ہے۔ درحقیقت وہ ایسی نداء اور خطاب ہے جس کا عادیہ لوگوں میں رواج ہے۔ جیسے عام طور پر کسی کو یَا زَیْدُ، یَا عَمْرُو کہہ کر پکار لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اس طرح میرے رسول کو نہ پکارو۔

مگر اوراد و وظائف میں یَا مُحَمَّدُ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو نداء کی جاتی ہے۔ وہ ہرگز اس نوعیت کی ندائے مروج و معتاد نہیں بلکہ یہاں تو تنہائی میں محض سرگوشی کے طور پر یَا مُحَمَّدُ کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کی روحانیت مقدسہ کو نداء کے ساتھ اپنی طرف اس لئے متوجہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ **يَا مُحَمَّدُ** کہنے والا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے لئے **تَوَجَّهْ إِلَى اللَّهِ** کا وسیلہ بنائے۔

لہذا اس نداء کو نداء مروج اور خطاب مقناہ پر قیاس کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ تاہم اہل علم ایسے مواقع پر احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے یا محمد کی بجائے **يَا رَسُولَ اللَّهِ** پڑھتے ہیں۔

بہر نوع پھلواروی صاحب کا **يَا مُحَمَّدُ** کہنے کو بے دھڑک بدتمیزی کہہ دینا سخت بدتمیزی ہے اور حدیث پاک پر صراحتاً طعن کرنا ہے (العیاذ باللہ)

يَا مُحَمَّدُ کہنے کا ثبوت

یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے **يَا مُحَمَّدُ** کہہ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب نہیں فرمایا لیکن **يَا مُحَمَّدُ** کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرمانا احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ **مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ** حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ”**يَا مُحَمَّدُ اَرْفَعْ رَأْسَكَ**“، اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سر اقدس اٹھائیے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۸، ص ۲۸۹ طبع رشیدیہ دہلی) اختصاراً ملائکہ کی مشہور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لفظ **يَا مُحَمَّدُ** کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خطاب وارد ہے۔ بروایت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا **يَا مُحَمَّدُ**۔ سرکار فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: **لَبَّيْكَ رَبِّ**۔ اے میرے رب میں حاضر ہوں۔

(مشکوٰۃ ص ۷۲)

تیسواں اعتراض اور اس کا جواب

ناد علی کو مشرکانہ وظیفہ کہنا

رہا یہ امر کہ اس وظیفہ میں شرکیہ الفاظ ہیں تو یہ پھلواروی صاحب کی نا سمجھی ہے۔ حضرت علی کا مدد کرنا اذن الہی اور مشیت ایزدی کے تحت ہے بالاسقلال نہیں۔ اور مدد اور عون کی اسناد حضرت علی کی طرف حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے۔ جس کا مفاد حضرت علی سے توسل کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس وظیفے کے الفاظ سے حضرت علی کے مستعان حقیقی ہونے کا مفہوم پھلواروی صاحب کی اپنی فہم ہے جو درست نہیں آیت کریمہ اَیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ کے تحت ہم نے اپنے تفسیری حواشی میں اس مسئلہ کی پوری وضاحت کر دی ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں

اکیسواں اعتراض اور اس کا جواب

مرتب ناد علی کو بد بخت شاعر کہنا

اس وظیفے کے مؤلف کو بد بخت شاعر کے الفاظ سے تعبیر کرنا۔ اور اس کے حق میں یہ کہنا کہ ”بد بخت شاعر کو حضور کی طرف شرک منسوب کرتے بھی شرم نہ آئی“۔ پھلواروی صاحب کے بے محل غیظ و غضب کے اظہار کے سوا کچھ نہیں ہم ابھی بتا چکے ہیں کہ یہ وظیفہ شعر نہیں۔ لہذا اس کی بنیاد پر اس کے مؤلف کو شاعر کہنا غلط ہے نہ اس نے اس وظیفہ کا کوئی کلمہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کرنے والا وہ بد بخت ہے جس نے یہ جھوٹا قصہ گھڑا۔

پھلواروی صاحب کی تمام تر طعن و تشنیع کی بنیاد صرف وہی جھوٹا قصہ ہے۔ جو کسی رافضی کے حوالے سے انہوں نے نقل کیا۔ جس کا کوئی تعلق نہ وظیفے سے ہے نہ اس کے مؤلف سے۔

بتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

حسین کرمین صحابی ہیں

پھلواروی صاحب ملا باقر مجلسی کا ایک بیان نقل کر کے تحریر فرماتے ہیں ”اس روایت سے واضح طور پر دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ جناب حسن وفات نبوی کے وقت چار سال کے لگ بھگ تھے۔ اور جناب حسین ان سے بھی کوئی سال بھر چھوٹے تھے۔ دوسرے یہ کہ سیدنا علی کا شریک غزوہ خیبر ہونا صحیح نہیں۔“ انتہی کلام۔

میں عرض کروں گا کہ ملا باقر مجلسی کا بیان یا اس کی منقولہ روایت ہمارے نزدیک پر گاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی۔ یہاں اس کا نقل کرنا ہی بے سود اور بے محل ہے۔ ہمارے علمائے محققین نے لکھا ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ولادت نصف رمضان ۳؎ میں ہوئی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ”قَالَ خَلِيفَةُ غَيْرُ وَاحِدٍ وَلِدَ لِلنَّصَفِ مِنْ رَمَضَانَ سَنَةِ (۳)“ یعنی خلیفہ اور ان کے علاوہ کئی علماء نے کہا کہ حضرت حسن نصف رمضان ۳؎ میں پیدا ہوئے۔ اس سے پہلے ابن حجر اسی مقام پر

فرما چکے ہیں رَوای عَنْ جَدِّهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
یعنی حضرت حسن نے اپنے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی
(تہذیب التہذیب جلد ۲، ص ۲۹۵، ۲۹۶ - بیروت) امام ابن جوزی نے
تقریباً دس احادیث کے رواۃ میں ان کا نام لکھا (تلیق فہوم الاثر ص ۱۸ طبع
دہلی) اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر کرتے ہوئے تہذیب
التہذیب میں فرمایا: ” قَالَ الزُّبَيْرُ بْنُ بَكَّارٍ وُلِدَ لِخُمْسٍ لَيَالٍ
خَلَوْنَ مِنْ شُعْبَانَ سَنَةَ أَرْبَعٍ “ یعنی زبیر بن بکار نے کہا کہ حضرت
حسین چھ شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۳۲۵
طبع بیروت) اور امام ابن جوزی نے انہیں تقریباً سات احادیث کے رواۃ میں
شمار کیا۔ (تلیق ص ۱۸۸)

ثابت ہوا کہ پھلواری صاحب کا یہ کہنا کہ ” جناب حسن وفات نبوی کے
وقت چار سال کے لگ بھگ تھے۔ اور حضرت حسین ان سے بھی کوئی سال بھر
چھوٹے تھے۔ “ قطعاً غلط اور دروغ بے فروغ ہے حقیقت یہ ہے کہ وفات
نبوی کے وقت حضرت حسن کی عمر شریف تقریباً ساڑھے سات سال اور حضرت
حسین کی عمر مبارک تقریباً ساڑھے چھ سال تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے ان کا احادیث روایت کرنا بھی اسی کا مؤید ہے۔
ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ پھلواری صاحب نے کس دلیری کے
ساتھ حق کو چھپایا۔ اور حسین کریمین کی عظمت و فضیلت گھٹانے کی کیسی مذموم
جسارت کی



حضرت علی اور غزوہ خیبر

اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بھی ان کا یہ گھناؤنا نظریہ ناظرین کرام کے سامنے آ گیا کہ ”سیدنا علی کا شریک غزوہ خیبر ہونا صحیح نہیں۔“ العیاذ باللہ۔

آج تک دنیا کے کسی مؤرخ نے غزوہ خیبر میں حضرت علی کی شرکت کی نفی نہیں کی۔ تمام کتب سیرت و تاریخ اور احادیث صحیحہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غزوہ خیبر میں شریک ہونا بلکہ فاتح خیبر ہونا منقول اور مروی ہے۔ صحیحین کی متفق علیہ حدیث ہے۔ عَنْ سَلَمَةَ قَالَ كَانَ عَلِيٌّ قَدْ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فِي خَيْبَرَ وَكَانَ بِهِ رَمَةٌ فَقَالَ أَنَا أَتَخَلَّفُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَلَمَحَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ اللَّيْلَةِ الَّتِي فَتَحَهَا اللَّهُ فِي صَبَاحِهَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا تُعْطِينَ الرَّايَةَ أَوْ لِيَأْخُذَنَّ الرَّايَةَ عَدَا رَجُلًا يُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَوْ قَالَ يُحِبُّ اللَّهُ وَرَسُولَهُ يَفْتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ فَإِذَا نَحَرْنَا بِعَلِيٍّ وَمَا نَرْجُوهُ فَقَالُوا هَذَا عَلِيٌّ فَأَعْطَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَفَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ حَنَاتِ سَلَمَةَ بْنِ أَكْوَعٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سَے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ غزوہ خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہ گئے۔ انہیں آشوبِ چشم کی تکلیف تھی حضرت علی نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیچھے رہ جاؤں؟ چنانچہ حضرت علی

مدینہ سے چل کر خیبر پہنچے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے۔ جب اس رات کی شام ہوئی۔ جس کی صبح کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کل یہ جھنڈا میں اسے دوں گا۔ یا مجھ سے یہ جھنڈا وہ لے گا۔ جو اللہ اور رسول کا محبوب ہے۔ یا (فرمایا) اللہ اور رسول اس کے محبوب ہیں۔ یہ جنگ اللہ تعالیٰ اسی پر فتح فرمادے گا۔ اچانک ہم نے حضرت علی کو دیکھا اور ہمیں ان کی کوئی امید نہ تھی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ حضور! یہ حضرت علی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جھنڈا حضرت علی کو عطا فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر خیبر فتح فرمایا۔ انتہی۔

(صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲ صحیح مسلم جلد ثانی ص ۲۷۹ طبع آج المطابع کراچی)
شاید ناظرین کرام میں سے کسی کو یہ شبہ لاحق ہو کہ پھلواروی صاحب نے ملا باقر مجلسی اور روافض پر الزام قائم کرنے کے لئے ایسا لکھا ہے۔ تو میں عرض کروں گا کہ الزام، مخاطب پر قائم کیا جاتا ہے۔ پھلواروی صاحب کے مخاطب روافض اور ملا باقر مجلسی نہیں۔ پھر ان پر الزام قائم کرنے کے کیا معنی؟ درود تاج، دلائل الخیرات اور حزب البحر وغیرہ جن اوراد و وظائف پر پھلواروی صاحب نے اعتراضات کئے وہ بزرگان اہل سنت کے معمولات ہیں۔ اس لئے پھلواروی کے مخاطب روافض اور ملا باقر مجلسی نہیں بلکہ ہم غریبین ہیں۔ لہذا روافض یا ملا باقر مجلسی پر الزام قائم کرنے کا شبہ درست نہیں ہو سکتا۔

علاوہ ازیں اس موقع پر اظہار حق ضروری تھا۔ جو انہوں نے نہیں کیا۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے۔ وہی ان کے نزدیک حق ہے۔ جو اہل حق کے نزدیک سراسر باطل اور ناقابل قبول ہے۔

پھلواروی صاحب کی یہ ساری کاوش اس غرض سے ہے کہ فضائل اہل بیت

کے انکار اور ان کے خلاف اپنے دل کا غبار نکالنے کے لئے کہیں سے انہیں کوئی سہارا مل جائے۔ نہ معلوم کس قدر تک دُور اور کدوکاوش کے بعد ملا باقر مجلسی کی یہ روایت ان کے ہاتھ آئی۔ جس کے بعد حضرت علی المرتضیٰ اور حسین کربلا کے خلاف یہ دو باتیں ثابت کرنے کا بزعم خویش انہیں موقع میسر آیا جو اہل سنت کے لئے قابل قبول تو درکنار لائق التفات بھی نہیں۔

مَرْحَبُ يَهُودِي كَ قَاتِلِ

دنیا جانتی ہے کہ یہودی خیر کے سب سے بڑے سردار مَرْحَبُ کے قاتل حضرت علی المرتضیٰ ہیں پھلواروی صاحب اس کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”مزید براں طبری متوفی ۳۲۰ھ کے بیان کے مطابق مرحب کے قاتل محمد بن مسلمہ ہیں۔ اور صحیح بھی یہی ہے۔ کیونکہ ان کے بھائی محمود بن مسلمہ کو مرحب نے قتل کیا تھا۔ لہذا محمد بن مسلمہ کی خواہش پر حضور نے انہی کو مرحب کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اور انہی نے اسے قتل کیا۔ مرحب کے قتل کا کوئی تعلق سیدنا علی سے نہیں۔ یہ چوتھی صدی ہجری کا اختراع ہے“ انتہی کلامہ

میں عرض کروں گا علم حدیث اور سیرت کی روشنی میں حضرت علی ہی مَرْحَبُ کے قاتل ہیں۔ دیکھیے امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ نے ”صحیح مسلم“ میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طویل حدیث روایت کی جس کا آخری حصہ حسب ذیل الفاظ میں ہے:- وَخَرَجَ مَرْحَبٌ فَقَالَ:

قَدْ عَلِمْتُ خَيْرُ الْيَوْمِ مَرْحَبٌ شَاكِيَ السِّلَاحِ بَطْلٌ مُجَرَّبٌ
إِذَا الْحُرُوبُ أَقْبَلَتْ قُلْتُ

فَقَالَ عَلِيٌّ:

أَنَا الَّذِي سَمَّنِي أُمِّي حَيْدَرَهُ. كَلَيْتُ غَابَاتِ كَرِيهِهِ الْمُنْظَرَهُ
أَوْ فِينِهِمْ بِالصَّاعِ كَيْلَ السُّدْرَةِ

قَالَ فَضَرْبَ رَأْسٍ مَرْحَبٌ فَقَتَلَهُ ثُمَّ كَانَ الْفَتْحُ
عَلَى يَدَيْهِ (صحیح مسلم شریف جلد ۳ ص ۱۴۴)
طبع بیروت) یہودیوں کا سب سے بڑا سردار مرحب رجزیہ اشعار پڑھتا ہوا میدان
جنگ میں نکلا۔ خیبر والے جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں۔ نہایت مضبوط
ہتھیار بند، آزمودہ بہادر پہلوان۔ جب بھڑکتی ہوئی لڑائیاں سامنے آئیں۔
حضرت علی نے اس کے تدمقابل ہو کر فرمایا: میں وہ علی ہوں کہ میری ماں
نے میرا نام حید رکھا، بیا بالوں کے خوفناک شیروں کی طرح، میں دشمنوں
کو بڑی تیزی اور فراخی کے ساتھ قتل کرتا ہوں۔ سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ
حضرت علی نے مرحب کے سر پر کاری ضرب لگائی اور اسے قتل کر دیا۔ پھر خیبر
حضرت علی کے ہاتھ پر فتح ہو گیا۔ انتہی۔

علامہ ابن کثیر نے فرمایا اس حدیث کو مسلم اور بیہقی نے روایت کیا۔ بیہقی کے
الفاظ حسب ذیل ہیں: "قَالَ فَضَرْبَ مَرْحَبٍ فَفَلَقَ رَأْسَهُ فَقَتَلَهُ
وَكَانَ الْفَتْحُ" سلمہ بن اکوع نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
مرحب کو ضرب کاری لگائی۔ اس کا سر بھاڑ کر اسے قتل کر دیا۔ اور خیبر کی جنگ
فتح ہو گئی۔ (البدایہ والنہایہ جزء چہارم ص ۱۸۸ طبع مصر) یہی الفاظ مستدرک
میں بھی ہیں۔ (المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۳۹ طبع بیروت) اسی طرح طبقات
محمد بن سعد متوفی ۲۴۰ھ میں ہے۔ (جلد ۲ ص ۱۱۲ طبع بیروت)

ابن کثیر نے بیہقی کی ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:-
فَبَدَرَهُ عَلَى بِضْرَبَةٍ فَقَدَّ الْحَجَرَ وَالْمِغْفَرَةَ رَأْسَهُ وَوَقَعَ فِي
الْأُضْرَاسِ وَأَخَذَ الْمَدِينَةَ۔ حضرت علی نے مرحب کو ضرب لگانے میں
جلدی کی تلوار کی ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس کے پتھر اور لوہے کے خود کو

کاٹ کے رکھ دیا۔ تلوار اس کے سر میں پیوست کر دی۔ جو اس کی ڈاڑھوں تک پہنچ گئی۔ اور خیبر کے شہر کو فتح کر لیا۔ (البدایہ والنہایہ جزء ۴ ص ۱۸) نیز علامہ ابن کثیر نے امام احمد کی بھی ایک روایت بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا قَتَلْتُ مَرْحَبَ جِئْتُ بِرَأْسِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. یعنی امام احمد متوفی ۲۴۱ھ نے فرمایا: حضرت علی سے مروی ہے۔ جب میں نے مرحب کو قتل کر دیا تو اس کا سر لے کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ (البدایہ والنہایہ جزء ۴ ص ۱۸۸)

طبری میں ہے ”فَاخْتَلَفَ هُوَ وَعَلِيٌّ ضَرْبَتَيْنِ فَضْرِبَةً عَلِيٌّ عَلَى هَامَتِهِ حَتَّى عَضَّ السَّيْفُ مِنْهَا بِأُضْرَاسِهِ وَسَمِعَ أَهْلُ الْعُسْكَرِ صَوْتَ ضَرْبَتِهِ فَمَاتَتْ أَمَّا الْخِرَاءُ النَّاسُ مَعَ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ لَهُ وَلَهُمْ“ مرحب اور حضرت علی نے آپس میں ایک دوسرے پر دو ضربوں کے وار کئے۔ پھر حضرت علی نے اس کی کھوپڑی میں تلوار ماری جتنی کہ حضرت علی کی تلوار خارا شکاف نے کھوپڑی سے لے کر اس کی ڈاڑھوں تک مرحب کو حیر کر رکھ دیا۔ لشکر والوں نے حضرت علی کی اس ضرب کی آواز سنی۔ پچھلے لوگ بھی حضرت علی پر پہنچنے نہ پائے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی اور تمام مسلمانوں کے لئے خیبر کو فتح فرمادیا۔ (طبری جلد ۲ جزء ۳ ص ۹۳ طبع بیروت) اور یہی طبری متوفی ۳۲۰ھ اس کے ساتھ ایک اور روایت لائے ہیں:-

”فَبَدَرَهُ عَلِيٌّ بِضَرْبَةٍ فَقَدَّ الْحَجَرَ وَالْمِغْفَرَ وَرَأْسُهُ حَتَّى وَقَعَ فِي الْأُضْرَاسِ وَأَخَذَ الْمَدِينَةَ“ مرحب کو ضرب لگانے میں حضرت علی نے جلدی کی تو پتھر اور لوہے کے خود اور اس کے سر کو کاٹ دیا۔ یہاں تک کہ وہ تلوار مرحب کی ڈاڑھوں تک پہنچ گئی۔ حضرت علی نے اسی وقت خیبر کا شہر فتح

کر لیا۔ طبری جلد ۲، جزء ۳، ص ۹۴ طبع بیروت

محب طبری پر غلط بیانی

پھلواروی صاحب کی یہ کتنی بڑی علمی خیانت ہے کہ انہوں نے طبری کی ان دونوں روایتوں کو چھوڑ دیا۔ اور محمد بن مسلمہ کے بارے میں جو ایک روایت طبری نے لکھی۔ اسی کو طبری کا بیان قرار دے دیا۔ اور سارا زور قلم اسی پر لگا دیا۔ کہ ”مرحرب کے قاتل صرف حضرت محمد بن مسلمہ ہیں۔ مرحرب کے قتل کا کوئی تعلق حضرت سیدنا علی سے نہیں، یہ چوتھی صدی ہجری کا اختراع ہے“ حالانکہ وہی امام طبری متوفی ۳۲۰ھ ہیں جن کا سہارا پھلواروی صاحب نے لیا۔ وہی حضرت علی کو مرحرب کا قاتل ظاہر کرنے کے دو روایتیں اپنی کتاب میں درج فرما رہے ہیں۔

پھر انہوں نے صحیح مسلم کو بھی نظر انداز کر دیا جس کے مؤلف کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔ اور انہوں نے حضرت علی کے مرحرب کو قتل کرنے کا واقعہ اپنی ”صحیح“ میں روایت کیا۔ جسے پھلواروی صاحب چوتھی صدی ہجری کا اختراع قرار دے رہے ہیں۔ فیاللعجب۔

پھلواروی صاحب کا یہ کہنا کہ ”طبری کے بیان کے مطابق مرحرب کے قاتل محمد بن مسلمہ ہیں اور یہ صحیح بھی ہے“ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے۔ طبری کا کوئی ایسا بیان موجود نہیں۔ اگر طبری کی ایک روایت کو وہ ان کا بیان سمجھتے ہیں تو اس کے خلاف دو روایتوں کو طبری کا ڈبل اور مکرر بیان سمجھنا چاہیئے۔ جن کے مطابق حضرت علی ہی مرحرب کے قاتل ہیں۔ میں عرض کروں گا یہ صحیح بھی یہی ہے پھلواروی صاحب نے اپنے دعویٰ صحت کی جو دلیل لکھی ہے وہ قطعاً

غلط ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: ”کیونکہ ان کے بھائی محمود بن مسلمہ کو مرحب نے قتل کیا تھا۔ لہذا محمد بن مسلمہ کی خواہش پر حضور نے انہی کو مرحب کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا۔“

محض مرحب تو محمود بن مسلمہ کا قاتل نہیں۔ ان کو قتل کرنے والی پوری جماعت ہے۔ جنہوں نے اپنے ایک قلعہ کی دیوار سے حضرت محمود بن مسلمہ پر چکی کا ایک بھاری پتھر گرایا۔ اور وہ اس سے قتل ہو گئے۔ (طبری جزء ۳ ص ۹۲۔ البدایہ والنہایہ جلد ۲ جزء ۴ ص ۱۹۲) اسی لئے کسی نے بھی مرحب کو ان کا قاتل نہیں لکھا۔ بلکہ روایات میں ”قَتَلُوا“ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ جو جمع کا صیغہ ہے یعنی یہودی کی ایک جماعت نے حضرت محمود بن مسلمہ کو قتل کیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ جزء ۴ ص ۱۸۹، طبری جلد ۲ جزء ۳ ص ۹۲)

غزوہ خیبر کے قصہ میں خیبر کے یہودی کنانہ کے متعلق طبری کی ایک روایت ہے: ”ثُمَّ دَفَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ إِلَى مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ فَضَرَبَ عُنُقَهُ بِأَخِيهِ مَحْمُودِ بْنِ مَسْلَمَةَ“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ کے حوالے فرما دیا۔ جسے انہوں نے اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے بدلے میں قتل کر دیا۔ (طبری جلد ۲ جزء ۳ ص ۹۵ طبع بیروت)

طبری کی اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ محمود بن مسلمہ کا قاتل کنانہ تھا۔ جس سے واضح ہو گیا کہ مرحب کو محمود بن مسلمہ کا قاتل قرار دینا صحیح نہیں ہے البتہ یہ ممکن ہے کہ یہودی کی جس جماعت نے محمود بن مسلمہ پر قلعے کی دیوار سے پتھر گرایا۔ جس سے وہ قتل ہو گئے۔ مرحب بھی اس میں شامل ہو۔ اور اس طرح وہ دونوں بھی محمود بن مسلمہ کے قاتل قرار پائیں۔ کیونکہ کسی کے قتل میں جتنے آدمی شامل ہوں گے۔ وہ سب اس کے قاتل قرار پائیں گے۔ لیکن ان میں سے محض کسی ایک کو قاتل

قرار دینا درست نہ ہوگا۔

محمد بن مسلمہ کے مرحب کو قتل کرنے کی جس روایت کا سہارا پھلواری صاحب نے لیا ہے وہ مرجوح ہے، جمہور محدثین اور علماء سیر کا قول یہی ہے کہ مرحب کے قاتل حضرت علی المرتضیٰ ہیں وہ اسی کو صحیح کہتے ہیں۔

محمد بن مسلمہ کے مرحب کے قاتل ہونے کا قول ضعیف ہے۔ اسی لئے علماء نے اسے لفظ قِیل کے ساتھ بصیغہ تملیض نقل کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر نے فرمایا ”قِیلَ اِنَّهُ هُوَ الَّذِي قَتَلَ مَرْحَبَ الْيَهُودِيِّ وَالصَّحِيحُ الَّذِي عَلَيْهِ اَكْثَرُ اَهْلِ السِّيَرِ وَالْحَدِيثِ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ اَبِي طَالِبٍ قَتَلَ مَرْحَبَ“

(اسد الغابہ جلد ۴ ص ۳۳۱ طبع ایران)

یعنی ایک (ضعیف) قول یہ ہے کہ مرحب محمد بن مسلمہ نے قتل کیا۔ اور صحیح یہی ہے کہ مرحب کے قاتل حضرت علی ہیں۔ اکثر اہل سیر و حدیث اسی کے قاتل ہیں۔ (انہی)

حضرت علی کے مرحب کو قتل کرنے کی حدیث کی شرح میں علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اصح یہی ہے کہ حضرت علی ہی مرحب کے قاتل ہیں۔ اور ایک (ضعیف) قول یہ ہے کہ مرحب کے قاتل محمد بن مسلمہ ہیں۔ ابن عبد البر نے اپنی کتاب الدرر میں محمد بن اسحق کا یہ قول نقل کیا کہ مرحب کے قاتل محمد بن مسلمہ ہیں۔ اسے نقل کرنے کے بعد ابن عبد البر نے فرمایا کہ محمد بن اسحق کے علاوہ دوسروں کا قول یہ ہے کہ مرحب کے قاتل حضرت علی المرتضیٰ ہیں۔ اور ہمارے نزدیک صحیح بھی یہی ہے۔ پھر اپنی اسناد سے یہی بات انہوں نے سلمہ اور بریدہ سے روایت کی، علامہ نووی فرماتے ہیں: ابن اثیر کا قول یہ ہے کہ جمہور علمائے حدیث اور علمائے سیرت اسی مسلک پر ہیں کہ مرحب کو حضرت علی نے قتل کیا۔ (انہی) (ملخصاً)۔ (نووی شرح مسلم بھامش

ارشاد الساری جلد ۷ ص ۲۶۳-۲۶۴ طبع مصر

مخفی نہ رہے کہ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ واقعہ نے ذکر کیا کہ محمد بن مسلمہ نے مرحب کے دونوں پاؤں کاٹ دیئے۔ شدت تکلیف کی حالت میں اس نے کہا کہ مجھے جلدی قتل کر دے۔ محمد بن مسلمہ نے فرمایا کہ میں ایسا نہیں کروں گا کہ تجھے جلدی قتل کر دوں۔ اب تو موت کا مزہ اسی طرح چکھتا رہ۔ جیسے محمود بن مسلمہ موت کا مزہ چکھتے رہے۔ حضرت علی اس پر گزرے۔ انہوں نے مرحب کا سر کاٹ دیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۲ جزء ۴ ص ۱۸۹)

واقعہ کا یہ قول اگر ثابت ہو تو دونوں روایتوں میں تطبیق کا یہ پہلو نکل سکے گا کہ محمد بن مسلمہ اور حضرت علی دونوں کو مرحب کا قاتل کہنا صحیح ہے جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ ایک شخص کے قتل میں جتنے آدمی شریک ہوں۔ سب کو اس کا قاتل کہا جائے گا۔ اگرچہ اصل قاتل ایک ہی ہو۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ محمد بن مسلمہ نے مرحب کے صرف پاؤں کاٹے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ نے اس کا سر کاٹ دیا۔ اصل قاتل حضرت علی المرتضیٰ ہی رہے۔ اگرچہ محمد بن مسلمہ کو بھی شریک قتل ہونے کی وجہ سے قاتل کہا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ مرحب اور کنانہ دونوں کو محمود بن مسلمہ کا قاتل کہنا صحیح ہو سکتا ہے۔ مگر دوسرے سے قتل کی نفی کر کے محض ایک کو قاتل کہنا صحیح نہیں۔

۳۳
تین تیسواں اعتراض اور اس کا جواب

استمداد کی شرعی حیثیت

بے شک اللہ کے سوا کسی کو معین اور مددگار حقیقی سمجھنا شرکِ خالص ہے۔ مگر

کمال قرب الہی کے باعث اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کو مظاہرِ عیون الہی سمجھنا یقیناً حق ہے۔ قرآن و حدیث میں یہ مضمون وارد ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کر رہا ہوں۔ بصیرت و انصاف کی نظر سے غور کیا جائے تو آسانی سے بات سمجھ میں آ سکتی ہے۔ دیکھئے حدیث قدسی میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے میرے ولی سے عداوت کی میری طرف سے اسے اعلانِ جنگ ہے اور میرا بندہ میری کسی پسندیدہ چیز کے ذریعے میرا وہ قرب حاصل نہیں کرتا جو میرے فرائض کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو جب میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی سمع ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بصر ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اس کو ضرور دوں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے میری پناہ طلب کرے تو اسے میں ضرور اپنی پناہ دوں گا۔ الحدیث (بخاری جلد ۲ ص ۱۹۲) (مشکوٰۃ ص ۱۹) بخاری شریف کی اس حدیث قدسی کے بعض دیگر طرق میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں: ”وَفُؤَادُهُ الَّذِي يَحْقِلُ بِهِ وَلِسَانُهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ“ یعنی میں اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے (اشعۃ اللمعات جلد ۲ ص ۱۹۲ طبع مجتہبی)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کے ایک طریقِ روایت میں لِسَانًا اور قَلْبًا کے الفاظ نقل کئے ہیں (تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۶۸ طبع مصر) اس حدیث سے

واضح ہو گیا کہ مقربانِ بارگاہِ الوہیت کا مظاہرِ عونِ الہی ہونا حقیقتِ ثابتہ ہے۔
اس حدیث کو صرف اس بات پر محمول کر دینا کہ قربِ نوافل حاصل کرنے والے
بندے کو حبِ اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بنا لیتا ہے تو اس کا سننا، دیکھنا، کام کرنا
چلنا پھرنا، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے احکامِ شریعت کے مطابق ہو جاتا
ہے یعنی مقرب بندہ اپنی آنکھ کان وغیرہ کسی عضو سے معصیت کا مرتکب نہیں
ہوتا۔ ہرگز یہ صحیح نہیں کیونکہ ”کُنْتُ لَهُ سَمْعًا“ کا مقام اس بندے کو اللہ کا محبوب
ہونے کے بعد ملا ہے۔ اور وہ محبوب اسی وقت ہو گا۔ جب وہ گناہ چھوڑ دے گا۔
اور اپنی آنکھ کان ہاتھ وغیرہ کو احکامِ شرعیہ کے تابع بنا دے گا۔ اگر اس کے بغیر ہی وہ
محبوب ہو جائے تو سب عاصی اور گنہگار اللہ کے محبوب ہوں گے۔ پھر سوچئے کہ محبوبیت
الہیہ کی کیا وقعت رہی؟ معلوم ہوا کہ اپنی سمع و بصر وغیرہ کو احکامِ شرعیہ کے تابع کرنے
کے بعد کُنْتُ لَهُ سَمْعًا کا مقام اسے حاصل ہوا ہے۔ اب اگر اسے بھی ہم
گناہوں سے بچنے کے معنی پر محمول کر دیں تو اس کی حیثیت رجعتِ قہرری سے
زائد کیا ہوگی؟ بلکہ اسے تحصیل حاصل کہنا پڑے گا۔ جو صراحتاً باطل ہے۔ اس
لئے حدیث کو معنی سابق پر محمول کرنا صحیح نہیں بلکہ حدیث کے صحیح معنی یہ ہیں
کہ بندہ مقرب اللہ تعالیٰ کی سمع و بصر و دیگر صفات کا مظہر ہو جاتا ہے جیسا کہ
اسی حدیث کے پیش نظر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وَكَذَلِكَ
الْعَبْدُ إِذَا وَاطَّبَ عَلَى الطَّاعَاتِ بَلَغَ إِلَى الْمَقَامِ الَّذِي يَقُولُ
اللَّهُ كُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَبَصَرًا فَإِذَا صَارَ نُورُ جَلَالِ اللَّهِ سَمْعًا سَمِعَ
الْقَرِيبَ وَالْبَعِيدَ وَإِذَا صَارَ ذَلِكَ النُّورُ بَصَرًا رَأَى الْقَرِيبَ
وَالْبَعِيدَ وَإِذَا صَارَ ذَلِكَ النُّورُ يَدًا قَدَرَ عَلَى التَّصَرُّفِ
فِي الصَّغْبِ وَالسَّهْلِ وَالْبَعِيدِ وَالْقَرِيبِ“ یعنی بندہ جب گناہوں سے

بیچ کر نیکی کے کاموں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو وہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کی سمع اور اس کی بصر ہو جاتا ہوں۔ توجہ اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جائے تو وہ قریب اور دور کی بات سن لیتا ہے اور جب یہ نور اس کی بصر ہو جائے تو وہ قریب اور دور کی چیز کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہ نور اس کا ہاتھ ہو جائے تو وہ مشکل اور آسان اور دور اور قریب پر قادر ہو جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر للرازی جلد ۵ ص ۶۸۸، ص ۶۸۹ طبع مصر)

جن لوگوں نے اس حدیث کو عقیدہ توحید کی خلاف سمجھا۔ وہ غلطی پر ہیں کیونکہ حدیث میں یہ نہیں آیا کہ معاذ اللہ وہ ”بندہ مقرب“ اللہ ہو جاتا ہے۔ یا اللہ بندہ میں حلول کر لیتا ہے۔ بلکہ حدیث کا واضح مفہوم یہی ہے کہ اللہ کا بندہ کمال قرب کے باعث اللہ کے نورِ سمع، نورِ بصر، نورِ قدرت، نورِ کلام اور نورِ علم و ادراک کا مظہر ہو جاتا ہے۔ انسانیت کا کمال قرب الہی ہے۔ قرآن و حدیث اور شریعت اسلامیہ کا اصل مقصد ہی یہ ہے کہ انسان اللہ کا مقرب ہو جائے۔ اگر یہ کفر و شرک ہے تو اسلام اور توحید کا کیا مفہوم ہوگا؟ کمال انسانیت کے معیار کو کفر و شرک کہنا کتاب و سنت سے ناواقفیت اور روح اسلام سے بے گانگی کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے جو مقرب بندے اس مقام پر فائز ہوتے ہیں اس کی دی ہوئی قدرت کے باوجود اذن الہی کے بغیر کوئی کام ان سے سرزد نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے ارادے اور مشیت کو بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے تابع کر دیتے ہیں۔

بظاہر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں کچھ قدرت اور اختیار نہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اختیار کے باوجود اس کی حکمت اور مشیت کے تابع رہتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چاہتے تو سونے کے پہاڑ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یَا عَائِشَةُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِيَ جِبَالُ الذَّهَبِ۔ اے عائشہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلتے۔ (مشکوٰۃ ص ۵۲) اور فقر و فاقہ کی کبھی نوبت نہ آتی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فقر کو اختیار فرمایا۔

بے شک تمام انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور کل مخلوقات اللہ تعالیٰ کے محکوم اور مقدر ہیں اس کے حکم اور قدرت سے کوئی باہر نہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ بہ نسبت خلاق مجبور محض ہوں۔ بلکہ مظاہر عیون الہی ہو کر اللہ تعالیٰ کے اذن سے وہ اپنی اور ہماری سب کی مدد کرتے اور کر سکتے ہیں۔ ان کا بعض اوقات ہماری مدد نہ کرنا اس لئے نہیں کہ وہ ہماری مدد نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ بتقاضائے کمال عبدیت اللہ کی حکمت کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔ دلائل اور تفصیل کا یہ موقع نہیں سمجھنے کے لئے اتنی بات پیش نظر رکھ لیں کہ بھوک اور پیاس کی شدت برداشت کرنے والا روزے دار جسے اللہ تعالیٰ نے سب نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ روزے کی حالت میں کھانے پینے کی طاقت رکھتا ہے۔ مگر رضائے الہی کے پیش نظر وہ ایسا نہیں کرتا۔ نمازی نماز کی حالت میں لوگوں سے کلام کر سکتا ہے مگر بندگی کا تقاضا اسے روکتا ہے ایک طاقتور مظلوم ظالم سے انتقام لے سکتا ہے۔ مگر کمالِ حلم اس کے لئے مانع ہے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے مظہر عیون الہی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اگر وہ چاہتے تو باذن الہی اپنی مدد کر سکتے تھے مگر اپنے رب کی حکمت و رضا کے تحت انہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ اور حکمت الہیہ کے مطابق عمل کرنا سنت الہیہ ہے۔ غور فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لوگ بہت سے کام اس کی مرضی کے خلاف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں روک سکتا ہے مگر نہیں روکتا۔ شیطان

کی سرکشی دور کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے۔ مگر اپنی حکمتوں کی بناء پر ایسا نہیں کرتا۔
اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے سنت الہیہ کا منظر ہوتے ہیں۔ اپنے اوپر ان کا قیاس
کر کے انہیں اپنا جیسا سمجھنا نادانی اور نا انصافی ہے۔

۵ کارپا کاں را قیاس از خود مکیہ
گرچہ مانند در نوشتن شیر و شیر

چونیتسواں اعتراض اور اس کا جواب

لِیْ خَمْسَةٍ اُطْفِیْ بِهَا خَرَّالُوْبَاءِ الْعَاظِمَةِ
الْمُصْطَفٰی وَالْمُرْتَضٰی وَابْنَاهُمَا وَالْفَاظِمَةُ

اس کے بعد لیٰ خَمْسَةٍ پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”معلوم
نہیں کس بے علم نے یہ شعر بنایا ہے؟ بھاک کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بھم ہوتا
تو کچھ بات بھی بن جاتی۔ پھر و بآء مؤنث نہیں مگر یہاں اس کی صفت عاظمہ
لائی گئی ہے۔ پھر فاطمہ پر الف لام نہیں آتا۔ اور یہاں بے تکلف داخل کر دیا
گیا۔“ (ص ۲۱)

پھلواروی صاحب نے یہاں تین اعتراض کئے ہیں۔
① وہ فرماتے ہیں: بھاک کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بھم ہوتا تو کچھ بات
بھی بن جاتی۔“

پھلواروی صاحب کی کم فہمی پر حیرت ہے۔ وہ اتنا بھی نہ سمجھ سکے کہ ضمیر
”ہا“ کا مرجع لفظ خَمْسَةٍ کے ضمن میں موجود ہے۔ تقدیر عبارت ہے۔
”خَمْسَةُ اشْخَاصٍ“، ایسی صورت میں جمع مذکر غائب اور تباویل جماعت واحد
مؤنث غائب بلکہ جمع مؤنث غائب کی ضمیر بھی لانا جائز ہے۔ تینوں استعمال احادیث

سے ثابت ہیں۔

نمبر ۱: ”ثَلَاثَةٌ مَنْ قَالَ هُنَّ“، (مسند امام احمد جلد ۳ ص ۱۴ طبع بیروت)
نمبر ۲: ”ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهَا اللَّهُ“، (مجمع الزوائد ج ۲ دوم جلد اول ص ۱۰۵

طبع بیروت)

نمبر ۳: ”ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ ضَامِنٌ عَلَى اللَّهِ“، (البوداء جلد ۱ ص ۳۳ طبع

اصح المطابع کراچی)

پھلواروی صاحب کا ایکٹ کے سوا باقی دو کی نفی کرنا۔ ان کی لاعلمی پر مبنی ہے
(۲) فرماتے ہیں: ”وَبَاءٌ مُؤَنَّثٌ نَهَى مَكَرَ هَاهُنَا اس کی صفت حاطمة لائی گئی ہے“

پھلواروی صاحب کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہاں اَلْوَبَاءُ کی صفت اَلْحَاطِمَةُ
صرف رعایت قافیہ کی وجہ سے ہے۔ جو رعایتِ سجع سے کم نہیں اور رعایتِ
سجع میں یہ اختلافِ کلامِ عرب اور حدیث میں وارد ہے۔

حدیث اِمْرُؤُرَاسِیٍّ مِّنْ غُزَّاتٍ مِّنْ عَوْرَتِهَا مِثْلُ عَمُوٍّ مِّنْ عَمَلِهَا
”وَأَرَاخَ عَلَى نِعْمًا ثَرِيًّا“ شارح شمائل اس مقام پر ارقام فرماتے ہیں
وَكَانَ الظَّاهِرُ أَنَّ تَقْوِيلَ ثَرِيَّةٍ لِّكِنِّهَا ارْتِكَابُ ذَلِكَ لِأَجْلِ السَّجْعِ
یعنی یہاں اسے ”نِعْمًا ثَرِيَّةً“ کہنا چاہیے تھا لیکن رعایتِ سجع کی وجہ سے
اس نے ”ثَرِيَّةً“ کی بجائے مذکر کا لفظ ثَرِيًّا بول دیا۔

(شرح شمائل ترمذی ص ۱۹۴ طبع مصر)

پھلواروی صاحب اہل عرب کے عام استعمالات سے بھی بے خبر ہیں
(۳) فرماتے ہیں: ”پھر فاطمہ پر الف لام نہیں آتا۔ اور یہاں بے تکلف داخل
کر دیا۔“

پھلواروی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ لفظ فاطمہ صفت کا صیغہ چونکہ علم

ہے۔ اس لئے اس پر الف لام داخل ہونے کو وہ ناجائز سمجھ رہے ہیں۔ یہ ان کی لاعلمی اور کم فہمی ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ الف لام زائدہ ہے جس کا لفظ فائزہ اور اس جیسے دیگر اعلام پر داخل ہونا اگرچہ ضروری نہیں مگر اس کا جائز ہونا بھی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ دیکھئے شرح ابن عقیل میں ہے :

”وَ أَكْثَرُ مَا تَدْخُلُ عَلَى الْمَنْقُولِ مِنْ صِفَةِ كَقَوْلِكَ فِي

حَارِثٍ ”الْحَارِثُ“، یعنی صفت کا صیغہ جب اسمیت کی طرف منقول ہو تو اکثر اس پر الف لام داخل ہوتا ہے۔ جیسے لفظ حارث کو ”الْحَارِثُ“ کہنا۔

(ابن عقیل شرح ابن مالک ص ۱۸۴ جلد اول طبع مصر)

اور النحوا الوافی میں ہے ”أَلِ الزَّائِدَةُ هِيَ الَّتِي تَدْخُلُ عَلَى الْمَعْرِفَةِ

أَوِ الشُّكْرِ فَلَا تُغَيِّرُ التَّعْرِيفَ أَوِ التَّنْكِيرَ..... فَمِثَالُ دُخُولِهَا عَلَى

الْمَعْرِفَةِ ”الْمَأْمُونُ بْنُ الرَّشِيدِ مِنْ أَشْهُرِ خُلَفَاءِ بَنِي الْعَبَّاسِ“

فَاتَّكَلَمَاتُ مَأْمُونٌ وَرَشِيدٌ وَعَبَّاسٌ مَعَارِفٌ بِالْعِلْمِيَّةِ

قَبْلَ دُخُولِ أَلِ. فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهَا لَمْ تُحْدِثْ تَغْيِيرًا فِي تَعْرِيفِهَا

وَلَمْ تُغَيِّرْهَا تَعْرِيفًا جَدِيدًا.“ یعنی الف لام زائدہ جو معرفہ یا تنکرہ پر داخل

ہوتا ہے۔ وہ اس کی تعریف یا تنکیر کو متغیر نہیں کرتا۔ معرفہ پر اس کے داخل ہونے

کی مثال اس جملے میں ہے۔ ”الْمَأْمُونُ بْنُ الرَّشِيدِ مِنْ أَشْهُرِ خُلَفَاءِ

بَنِي الْعَبَّاسِ“۔ — مأمون، رشید اور عباس تینوں نام الف لام داخل ہونے

سے پہلے علمیت کے ساتھ معرفہ ہیں۔ الف لام نے ان پر داخل ہو کر ان کے علم

معرفہ ہونے میں کوئی نئی بات پیدا نہیں کی۔ نہ کسی تعریف جدید کا فائدہ دیا۔

(النحوا الوافی جلد ۱ ص ۲۲۹ طبع مصر)

علاوہ ازیں پھلواروی صاحب نے ضرورت شعری کے قانون کو بھی نظر انداز

فرما دیا۔ نحو کے جن قواعد کو وہ یقینی قرار ہے ہیں خود ان پر یقین نہیں رکھتے۔

۳۵/ پینتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

”صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم“

ضمیر مجرور پر بغیر اعادہ جار عطف

پھلواروی صاحب نے درود کے ان الفاظ پر بھی اعتراض کیا ہے صلی علیہ وآلہ وسلم کے متعلق وہ فرماتے ہیں! چند دنوں سے اخباروں، رسالوں میں ٹی وی اور ریڈیو میں اور بعض قدیم معتبر مذہبی کتابوں میں بڑی کثرت سے یہ درود لفظ ”وآلہ“ کے ساتھ دہرایا جاتا ہے۔ حالانکہ نحوی اعتبار سے یہ الفاظ صحیح نہیں۔ اصول یہ ہے کہ ضمیر مجرور پر جب اسم ظاہر عطف ہو تو اعادہ جار ضروری ہوتا ہے (ص ۲۲)

پھلواروی صاحب کی علمی بے مائیگی پر افسوس ہوتا ہے۔ سخاۃ کا یہ قول تو انہوں نے دیکھ لیا کہ ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف اعادہ جار کے بغیر نہیں ہوتا بے شک قرآن و حدیث اور کلام عرب میں اعادہ جار کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ پھلواروی صاحب نے بھی اس کی ایک دو مثالیں لکھی ہیں جس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ لیکن یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ تمام سخاۃ کا اس پر اتفاق ہو اور کسی کے نزدیک بھی اعادہ جار کے بغیر ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف جائز نہ ہو۔ اکثر بصیرین کا یہی مذہب ہے۔ لیکن کوفیین اسے جائز سمجھتے ہیں۔ ابن مالک بھی اس کے جواز کے قائل ہیں۔ آلفیہ میں ان کے دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

ۛ وَعَوْدُ خَافِضٍ لَدَى عَطْفٍ عَلَٰ

ضَمِيرٍ خَفِضٍ لَا زِمًا قَدْ جُعِلَا

ۛ وَلَيْسَ عِنْدِي لَا زِمًا إِذْ قَدْ أَتَىٰ

فِي النَّثْرِ وَالنَّظْمِ الصَّحِيحِ مُثَبَّتَا

شارح الفیہ ابن عقیل نے ان دونوں شعروں کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہا: یعنی جمہور سخاۃ نے اس صورت میں اعادۂ جار کو ضروری قرار دیا۔ اور میرے نزدیک صورت مذکورہ میں جار کا اعادہ ضروری نہیں کیونکہ اعادۂ جار کے بغیر یہ عطف نظم و نثر میں سماعاً وارد ہوا ہے۔ (ابن عقیل فرماتے ہیں) نثر میں اعادۂ جار کے بغیر یہ عطف حمزہ کی قرأت ”تَسَاءُ لُونٌ بِهِ وَالْأَرْحَامُ“ (بجرا الارحام) میں وارد ہے۔ کیونکہ یہاں ”الارحام“ کا عطف ”بہ“ کی ضمیر مجبور پر اعادۂ جار کے بغیر ہوا ہے۔ اور نظم میں یہ شعر ہے جسے سیبویہ نے پڑھا :- ۛ

فَالْيَوْمَ تَرَبَّتَ تَهْجُونَا وَتَشْتَمُنَا

فَاذْهَبْ فَمَا بِكَ وَالْآيَامُ مِنْ عَجَبٍ

(ترجمہ) یعنی تو آج ہماری ہجو کرتا اور ہمیں گالیاں دیتا ہوا ہمارے پاس آیا ہے۔ چلا جا۔ تجھ پر اور ان ایام پر کوئی تعجب نہیں۔ (ایسا ہوتا ہی رہتا ہے) اس شعر میں ”بِكَ“ کی ضمیر مجبور پر اعادۂ جار کے بغیر ”الایام“ کا عطف ہوا ہے۔ (ابن عقیل جلد ۲ ص ۲۳۹ ص ۲۴۰ طبع بیروت)

ثابت ہوا کہ نظم و نثر دونوں میں اعادۂ جار کے بغیر اسم ظاہر کا عطف ضمیر مجبور پر کلام عرب میں مسموع ہے۔ مخفی نہ رہے کہ حمزہ کی قراءت، قراءات سبعہ متواترہ میں سے ہے جس کے غلط ہونے کا تصور بھی کوئی

مسلمان نہیں کر سکتا۔ قرآنی شہادت کے بعد اس کو غلط کہنا ایسی جبارت ہے جو کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔

اس قراءتِ حمزہ میں ”الارحام“ کا عطف ضمیر مجرور پر متعین ہے کسی تاویل کا یہاں احتمال نہیں اس آیت کے تحت تفسیر مظہری میں ہے ”وَقَرَأَ حَمْزَةً بِالْجَرِّ عَطْفًا عَلَى الضَّمِيرِ الْمُجْرُورِ وَهَذِهِ الْآيَةُ دَلِيلٌ يَلْكَوْنِيَيْنَ عَلَى جَوَازِ الْعَطْفِ عَلَى الضَّمِيرِ الْمُجْرُورِ مِنْ غَيْرِ إِعَادَةِ الْجَارِ فَإِنَّ الْقِرَاءَةَ مُتَوَاتِرَةٌ“ یعنی حمزہ نے ”تساءلون به والارحام“ میں ”الارحام“ کو جر کے ساتھ پڑھا جس میں (اعادۂ جار کے بغیر) ضمیر مجرور پر عطف واقع ہوا ہے۔ اور یہ آیت کوفیین کے اس قول کی دلیل ہے کہ ضمیر مجرور پر اعادۂ جار کے بغیر عطف جائز ہے۔ کیونکہ حمزہ کی قرأت متواترہ ہے۔ انتہی۔
(تفسیر مظہری سورۃ النساء جلد ۲ ص ۲ طبع حیدر آباد دکن)

اور تفسیر روح المعانی میں علامہ سید محمود آلوسی حنفی بغدادی فرماتے ہیں:-
”اخْتَارَ أَبُو حَيَّانٍ عَطْفَهُ عَلَى الضَّمِيرِ الْمُجْرُورِ وَرَأَى تَمَّ يُعَدُّ الْجَارُ وَأَجَازَ ذَلِكَ الْكُوفِيُّونَ وَيُونُسُ وَالْأَخْفَشُ وَأَبُو عَلِيٍّ وَهُوَ شَائِعٌ فِي لِسَانِ الْعَرَبِ نَظْمًا وَنَثْرًا“ یعنی ابو حیان (صاحب تفسیر البحر المحیط) کے نزدیک اعادۂ جار کے بغیر ضمیر مجرور پر اسم ظاہر کا عطف مختار ہے اعادۂ جار کے بغیر یہ عطف کوفیین، یونس، اخفش اور ابو علی سب کے نزدیک جائز ہے۔ اور اعادۂ جار کے بغیر یہ عطف کلام عرب میں نظماً و نثراً شائع ہے (روح المعانی پل جلد ۱ جزء ۲ ص ۱۰۹ طبع دیوبند)
اس آیت کے علاوہ قرآن مجید کی دیگر آیات مثلاً ”وَوَكُفِّرْ بِهِ السَّجِدَ الْحَرَامَ“ (پل البقرہ آیت نمبر ۲۱) اور ”قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا

يُثَلِّي عَلَيْكُمْ “ (پک النساء آیت نمبر ۱۲۷) سے بھی اعادہ جار کے بغیر ضمیر
مجرور پر اسم ظاہر کے عطف کے جواز پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اور کہا جا
سکتا ہے کہ ”وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ“ کا عطف اعادہ جار کے بغیر ”بہ“ کی ضمیر
مجرور پر ہے۔ اور ”وَمَا يُثَلِّي“ میں ”مَا“ کا عطف ”فِيهِنَّ“ کی ضمیر
مجرور پر اعادہ جار کے بغیر ہو رہا ہے۔ لیکن ہم نے بحث کی طوالت سے بچنے کے
لئے اختصار کے ساتھ ان آیات کے محض ذکر پر اکتفاء کیا۔ اس عطف کے
جواز میں البو حیان کا طویل کلام تفسیر ”البحر المحیط“ جلد ۲ ص ۱۲۷، ص ۱۲۸،
جلد ۳ ص ۱۵۷، ص ۱۵۸، ص ۱۵۹ (طبع بیروت) پر بلا خطہ فرمائیے۔ ان کے علاوہ
دیگر تفاسیر میں بھی ضمیر مجرور پر اعادہ جار کے بغیر اسم ظاہر کے عطف کا جواز صراحت
اور بسط کے ساتھ مرقوم ہے۔ مثلاً تفسیر قرطبی جلد ۲ جز ۵، ص ۵۰۵ تفسیر کبیر
جلد ۳ پ ۱۹۳، تفسیر الجلالین علی ہامش الصاوی جلد ۱ ص ۱۶۶، تفسیر الصاوی
جلد ۱ ص ۱۶۶ وغیرہ۔

ناظرین کرام! غور فرمائیں کہ ہمارے دلائل کے سامنے پھلواروی صاحب
کے قول کی کیا وقعت رہ گئی؟ اس تفصیل سے پھلواروی صاحب کے
اس نظریے کے بطلان پر بھی مزید روشنی پڑ گئی کہ وہ قواعد نحو کو قطعی اور یقینی
قرار دیتے ہیں۔ الحمد للہ ہم نے ثابت کر دیا کہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ایسا دروہے جس کی صحت میں کوئی شک و شبہ نہیں، پھلواروی صاحب کا اسے
غلط کہنا قطعاً غلط اور باطل محض ہے۔



۳۶/ چھٹی سو اں اعتراض اور اس کا جواب

مسلمان کا مختصر درود

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا“ اس کی تعمیل میں مسلمان پڑھتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ اسی کا اختصار ”صلی اللہ علیہ وسلم“ ہے۔ انتہی

ناظرین کرام! ملاحظہ فرمائیں۔ پھلواروی صاحب نے کس چابک دستی کیساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کو درود سے خارج کر دیا میں عرض کروں گا کہ ارشاد باری کی تعمیل میں مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کو درود سے خارج کر کے اس طرح نہیں پڑھتے جس طرح پھلواروی صاحب نے لکھا۔ بلکہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے ساتھ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ بھی ضرور پڑھتے ہیں۔ ارشاد باری کی تعمیل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے درود کے جو الفاظ امت کو تلقین فرمائے ان میں ”عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ“ کے الفاظ بھی شامل ہیں جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان وارد ہے۔ قُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ۔ تم اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کہا کرو (مشکوٰۃ ص ۸۶ طبع رشیدیہ دہلی)

اگر کسی روایت میں آلِ محمد کے الفاظ نہیں تو اس کی بجائے ذَرِیَّتِہ کے الفاظ موجود ہیں (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۸۶)۔ اور ابو داؤد کی روایت میں تَوْذِیْقِیَّتِہ کے ساتھ اَہْلِ بَیْتِہ کے الفاظ بھی وارد ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۸۷)

اس لئے مسلمانوں کے درود کا اختصار لقبول پھلواروی صاحب "صلی اللہ علیہ وسلم" نہیں بلکہ اس کا اختصار "صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" ہے۔ نسخ مروجہ میں لفظ آل کا ساقط کرنا ناسخین کا تصرف ہے جو ہمارے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ پھلواروی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کو درود سے خارج کر کے آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاذ اللہ بیزاری اور اپنے قلبی عناد کا مظاہرہ کیا ہے۔ العیاذ باللہ۔

۳۷ سینٹی سوال اعتراض اور اس کا جواب

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

پھلواروی صاحب کا ایک عجیب استدلال ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں :
"قرآن کریم میں صحابہ کرام کے لئے آیا ہے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ"
اس سے واضح ہوا کہ صحابہ کرام کے لئے صرف رَضِيَ اللّٰهُ کہنا اور لکھنا ضروری ہے
(انتہی کلاماً)

میں عرض کروں گا کہ اس آیت کریمہ میں مؤمنین اصحاب شجرہ صحابہ کرام سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا بیان ہے۔ جو ان کی فضیلت کی دلیل قطعی ہے لیکن اس سے پھلواروی صاحب کا یہ قول کہاں ثابت ہوا کہ "صحابہ کے لئے صرف رَضِيَ اللّٰهُ کہنا اور لکھنا ضروری ہے۔"

یہاں دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت کریمہ میں محض اصحاب شجرہ کا ذکر ہے۔ پھر مطلقاً ہر صحابی کے حق میں ان کا یہ استدلال کیونکر صحیح ہوگا؟ دوسری یہ کہ یہاں اصحاب شجرہ کی فضیلت بیان فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رَضِيَ اللّٰهُ فرمایا۔ ان کے ناموں کے ساتھ رَضِيَ اللّٰهُ کہنے اور لکھنے کا اس آیت

میں کوئی حکم نہیں۔ ایسی صورت میں اسماء صحابہ کے ساتھ رَضِيَ اللہُ عَنْہُ کہنے یا لکھنے کے ضروری ہونے پر پھلواری صاحب کا یہ استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے؟ صحابہ کرام کی خصوصی فضیلتِ عظمیٰ کے پیش نظر ان کے اسماء گرامی کے ساتھ رَضِيَ اللہُ عَنْہُ لکھنا تو ان علمائے کرام نے تحریر فرمایا ہے جو پھلواری صاحب کی نظریں کوئی خاص وقت نہیں رکھتے۔ ہم ان علماء کے مطابق بطور ادب و احترام حضراتِ صحابہ کرام کے اسماء گرامی کے ساتھ رَضِيَ اللہُ عَنْہُ لکھتے ہیں۔ اور اسے اپنے لئے باعثِ خیر و برکت و سعادت سمجھتے ہیں۔ لیکن پھلواری صاحب کا استدلال مذکور ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں صرف اصحابِ شجرہ کے لئے ”رَضِيَ اللہُ عَنْہُ“ کے الفاظ وارد نہیں ہوئے بلکہ صحابہ ہوں یا غیر صحابہ ان سب مومنین کے حق میں ”رَضِيَ اللہُ عَنْہُ“ کے الفاظ قرآن حکیم میں وارد ہیں جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمُ خَيْرُ الْبَرِیَّةِ۔

(پ البنیہ)

پھر ان کے حق میں فرمایا۔ رَضِيَ اللہُ عَنْہُ وَرَضُوْا عَنْہُ۔ اس آیت میں اصحابِ شجرہ ہونا تو درکنار صحابی ہونے کی بھی تخصیص نہیں بلکہ قیامت تک امتِ مسلمہ کے وہ تمام افراد جو مومنین کاملین اور صالحین ہیں سب اس میں شامل ہیں اور رَضِيَ اللہُ عَنْہُ سب کے حق میں وارد ہے۔ اگر پھلواری صاحب کا استدلال صحیح ہو تو ہر مومن صالح کے نام کے ساتھ رَضِيَ اللہُ عَنْہُ کہنا اور لکھنا ضروری قرار پائے گا۔ جس کے پھلواری صاحب خود بھی قائل نہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کا یہ عجیب و غریب استدلال ان کے اپنے لئے بھی قطعاً ناقابلِ التفات ہے۔

۳۸/ اڑتیسواں اعتراض اور اس کا جواب

”لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ“

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں۔ یہ حدیث جو حدیث قدسی بھی بتائی جاتی ہے جہاں روایت ناقابل اعتبار ہے اپنی زبان کے لحاظ سے بھی نادرست ہے۔ پھلواروی صاحب ناحق طعن کر رہے ہیں آج تک اس روایت کی صحت پر کسی نے اصرار نہیں کیا۔ بعض علماء نے تو اسے موضوع بھی کہا ہے۔ لیکن یہ حکم سند روایت کے اعتبار سے ہے جو صحت معنی کی نفی کو مستلزم نہیں۔ دیکھیے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ قَالَ الصَّنْعَانِيُّ اِنَّهُ مُوَضُّوعٌ كَذَابِي الْخُلَاصَةُ لَكِنْ مَعْنَاهُ صَحِيحٌ فَقَدْ رَوَى الدَّيْلَمِيُّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا مَرْفُوعًا اَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْجَنَّةَ وَلَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ النَّارَ وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ عَسَاكَرٍ لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا۔ (موضوعات کبیرہ ص ۵۹ طبع مجتہائی)

پھلواروی صاحب کا اس حدیث کو زبان کے اعتبار سے نادرست کہنا ہمارے نزدیک درست نہیں۔ دیکھیے کافیہ میں ہے۔ ”وَجَاءَ لَوْلَاكَ وَعَسَاكَ إِلَىٰ أَخْرِهِمَا“ یعنی ”لولاك“ کلام عرب میں آیا ہے (ص ۵۳) اور مشکل اعراب القرآن میں ہے ”أَجَازَ سَيَبُودِهِ لَوْلَاكُمْ“ یعنی ”لَوْلَاكُمْ“ کی ترکیب کو سیبویہ نے جائز کہا ہے (ص ۲۱۰ جلد ۲ طبع ایران)

ثابت ہوا کہ یہ ترکیب اہل عرب سے مسموع ہے اور درست ہے۔ پھلواروی صاحب فرماتے ہیں؛ ”لَوْلَا“ کے بعد خواہ اسم ظاہر آئے یا اسم ضمیر

آئے وہ بہر حال مرفوع ہوگا۔“

میں عرض کروں گا کہ لَوْلَا کے بعد ضمیر مرفوع یا اسم ظاہر مرفوع کے جائز اور مستعمل ہونے میں کوئی اختلاف نہیں قرآن و حدیث اور محاورات عرب میں یہ استعمالات بکثرت وارد ہیں جس کی ایک دو مثالیں پھلواروی صاحب نے بھی لکھی ہیں۔ لیکن ان مثالوں سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ لَوْلَا کی ترکیب نادرست ہے۔ اور وہ اہل عرب سے مسموع نہیں۔ جبکہ ہم بھی اس کے ثبوت میں عبارتیں نقل کر چکے ہیں۔

پھلواروی صاحب اہل لغت کے حوالے سے فرماتے ہیں ”لَوْلَاۃُ یا لَوْلَاکَ یا لَوْلَاۃِ بہت ہی کم سنا گیا ہے۔“ پھر فرماتے ہیں ”ایسی شاذ اور غیر فصیح زبان ہرگز اس پیغمبر کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتی جو اَفْصَحُ الْعَرَبِ والعجم ہے“ میں عرض کروں گا کہ بہت ہی کم سہی لیکن اہل عرب سے اس کے مسموع ہونے کو تو بہر حال پھلواروی صاحب نے تسلیم کر لیا جو اس کے صحیح اور درست ہونے کی دلیل ہے۔

رہا یہ امر کہ پھلواروی صاحب قلتِ سماع کی وجہ سے اسے غیر فصیح قرار دے کر فرما رہے ہیں کہ ”ایسی شاذ اور غیر فصیح زبان ہرگز اس پیغمبر کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتی جو اَفْصَحُ الْعَرَبِ والعجم ہے۔“ انتہائی حیرت انگیز، تعجب خیز بلکہ بعید افسوسناک ہے۔ اگر کسی ترکیب کا قلیل الاستعمال ہونا اس کی فصاحت کے خلاف ہو تو وَمَا اَنْشَيْنِيْہُ اور بِمَا عٰمَدَ عَلَیْہُ اللّٰہُ میں دونوں ترکیبیں غیر فصیح قرار پائیں گی۔ کیونکہ اس قسم کی ترکیب میں ضمیر کا ضمہ ان آیتوں کے سوا قرآن مجید میں کہیں استعمال نہیں ہوا۔ نہ کسی حدیث میں اس کی مثال ملتی ہے۔ نہ کبھی اہل عرب نے ایسی ضمیر میں ضمہ استعمال کیا۔ کیا پھلواروی صاحب یہاں بھی کہیں گے

کہ ایسی شاذ اور غیر فیصح زبان ہرگز اس قرآن میں نہیں ہو سکتی جو اپنی فصاحت و بلاغت میں ایسا بے مثل ہے جس کی مثل ممکن ہی نہیں۔

علاوہ ازیں بہت ہی قلیل الاستعمال ترکیب کی بعض مثالیں حدیث میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں آیا ہے۔ ”أَنْتَ أَبَا جَهْلٍ“ (صحیح بخاری جلد ۵ ص ۹۵ طبع بیروت)

کون نہیں جانتا کہ اسماء ستہ مکبرہ مفردہ جب غیر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو ان کا اعراب حالتِ رفعی میں وَاو، حالتِ نصبی میں آلف اور حالتِ جری میں یا کے ساتھ ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث اور لغتِ عرب میں استعمالِ کثیر ہی ہے اس کے مطابق حدیث میں ”أَنْتَ أَبُو جَهْلٍ“ ہونا چاہیے تھا۔ مگر مستملی کے علاوہ بخاری کے تمام نسخوں میں ”أَنْتَ أَبَا جَهْلٍ“ مروی ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے تحت فرمایا: قوله: (”أَنْتَ أَبَا جَهْلٍ“) كَذَا لِأَكْثَرِ وَلِلْمُسْتَمَلِّ وَحْدَهُ أَنْتَ أَبُو جَهْلٍ وَالْأَوَّلُ هُوَ الْمُعْتَمَدُ، یعنی صرف مستملی کے نسخے میں ابو جہل ہے۔ اس کے علاوہ بخاری کے سب نسخوں میں ”انت ابا جہل“ روایت کیا گیا ہے۔ اور یہی معتمد ہے۔ (فتح الباری جلد ۴ ص ۲۳۵ طبع مصر) اور ظاہر ہے کہ یہ استعمال قلیل ہے۔ اس کی ایک مثال امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ”وَلَوْ رَمَاهُ بِأَبَا ثَيْبٍ“ میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگر قلتِ استعمال کو کسی ترکیب کے عدم جواز اور اس کے غیر فیصح ہونے کی دلیل مان لیا جائے۔ تو حدیث کی یہ ترکیب بھی ناجائز اور غیر فیصح ہوگی۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام بھی غلط اور غیر فیصح قرار پائے گا اور یہ صراحۃً باطل ہے۔ محمد اللہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ پھلواری صاحب کا طعن محض بے جا ہے۔ اور صرف قلتِ استعمال کی وجہ سے کسی ترکیب کو نادرست اور غیر فیصح

قرار دینا علم و دانش کی روشنی میں ہرگز درست نہیں۔ حدیث کُؤَلَاک کے معنی بالکل صحیح ہیں اور اس کی صحت ترکیب قطعاً بے غبار ہے۔

۳۹ انتالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

”فِي الدِّينِ وَالْدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“۔ ”فِي دِينِنَا وَدُنْيَانَا“

پھلواروی صاحب نے دلائل النخیرات سے حسب ذیل دعا نقل کی :

”اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدِّينِ وَالْدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“

حزب آلبحر سے بھی ”فِي دِينِنَا وَدُنْيَانَا“ کے الفاظ نقل کئے۔ دعا کے ان الفاظ کو ترک دنیا اور رہبانیت پر محمول کیا۔ دلائل النخیرات کے مؤلف یا ناقل کو نا عاقل قرار دیا اور ان اکابر امت کے خلاف خوب اپنے دل کی بھڑاس نکالی اور اس دعا پر اعتراض کرتے ہوئے کہا : ”دنیا کے مقابلے میں آخرت ہے یعنی اس جہاں کی زندگی اور آئیوالبے جہاں کی زندگی بہا دین تو وہ دنیا کے مقابلے میں یا دنیا سے الگ کوئی شے نہیں یہ آخرت کے مقابلے میں بھی کوئی چیز نہیں۔ اسی موجودہ زندگی میں اور دنیا ہی کے اندر ہوتا ہے یہی دنیاوی زندگی اللہ کی مرضی کے مطابق بسر کرنے کا نام ہے۔ ”دین“ دنیا سے ہٹ کر یا دنیا کو چھوڑ کر زندگی بسر کرنا کوئی دین نہیں“

(انتہی)

میں عرض کروں گا دلائل النخیرات یا حزب آلبحر میں دین اور دنیا کا لفظ تو ضرور آیا ہے۔ لیکن یہ کہیں نہیں آیا کہ دنیا سے ہٹ کر یا دنیا کو چھوڑ کر زندگی بسر کرنا دین ہے۔ نہ دلائل النخیرات اور حزب آلبحر میں یہ کہا کہ اللہ کی مرضی کے مطابق دنیا کی زندگی بسر کرنا دین نہیں۔

رضاءِ الہی کے مطابق دنیاوی زندگی بسر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم اپنی دنیا کی ہر چیز رضاءِ الہی کے تابع کر دیں۔ دنیا تابع ہو اور رضاءِ الہی متبوع۔ تابع متبوع کا ہمیشہ غیر ہوتا ہے۔ اگر دین و دنیا میں کوئی مغایرت ہی نہ ہو تو اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا مفہوم ہی نہیں رہتا۔ ہمیں جس چیز کو رضاءِ الہی کے تابع کرنا ہے۔ وہی دنیا ہے اور رضاءِ الہی کے تابع کرنا دین ہے۔ اور اپنے تشخص میں یہ دونوں چیزیں جداگانہ حیثیت رکھتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہمارا مال اور ہماری اولاد دنیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ”الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا“ (پہا الکہف آیت ۴۶) اور اپنے مال کو رضاءِ الہی کے مطابق خرچ کرنا۔ اور رضاءِ الہی کے مطابق اولاد کی پرورش کرنا دین ہے۔ اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ ہم اپنی دنیا یعنی مال و اولاد کے حق میں تجھ سے عفو و عافیت کے طالب ہیں کہ وہ ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں اور جب تیری رضا کے مطابق ہم اپنا مال خرچ کریں اور اپنی اولاد کی تربیت کریں تو ہماری یہ نیکی بھی ضائع نہ ہونے پائے تاکہ آخرت میں ہم اس کے ثواب سے محروم نہ ہو جائیں۔ یہ مفہوم ہے۔ ”فِي دِينِنَا وَدُنْيَانَا“ اور ”فِي الدِّينِ وَالْدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ“ کا۔

بتائیے! اس میں کون سی غلطی ہے؟ اسے غلطی کہنا دلائل الخیرات اور حزب البحر اور ان کا ورد کرنے والے صلحاء امت کے خلاف عناد ظاہر کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟



چالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

”صلوٰۃ معکوس“

اسی ضمن میں پھلواروی نے رہبانیت کا ذکر کرتے ہوئے درپردہ حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مذاق اڑایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: جب ہم یہ پڑھتے ہیں کہ فلاں بزرگ بارہ سال تک اُلٹے لٹکے رہے اور صلوٰۃ معکوس ادا کرتے رہے۔ استغفر اللہ۔ اس قسم کی رہبانہ زندگی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں یہ سب بزرگوں پر اتہام ہے، اور اگر فی الواقع کسی نے ایسا کیا ہے تو اس نے صحیح کام نہیں کیا۔ وہ طہارت و وضو کیسے کرتا رہا۔ نماز کس طرح ادا کرتا رہا۔ جماعت میں کیونکر شریک ہوتا رہا۔ بال بچوں یا پڑوسیوں کا کیا حق ادا کرتا رہا۔“ (ص ۲۴)

معلوم نہیں پھلواروی صاحب نے بارہ سال تک صلوٰۃ معکوس پڑھنے کا قصہ کہاں سے سُن لیا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے محض بطور ریاضت، اصلاحِ نفس کے لئے صرف چالیس رات، عشاء کے بعد صبح یعنی تہجد تک چند گھنٹوں کے لئے کنواں میں اُلٹا لٹکنے کی مشقت اختیار فرمائی۔ (اخبار الاخیار فارسی ص ۳۵ طبع مجتبائی۔ از شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی)

جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ نفس کی سرکشی دور ہو۔ اور وہ رضائے الہی کی خاطر مشقت و تکلیف برداشت کرنے کا عادی ہو جائے۔ اس موقع پر پھلواروی صاحب نے طہارت، وضو، نماز، جماعت، ادائیگی حقوق وغیرہ کا ذکر کر کے جو شکوک و شبہات وارد کئے ہیں سب بے محل اور لالچنی ہیں۔ کیونکہ چند گھنٹے کی اس ریاضت کے دوران نہ کسی نماز کا وقت آتا تھا نہ رفع حاجت کی ضروریات پیش

آنے کا کوئی موقع ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس کام میں رضاء الہی کے حصول کا مقصد شامل ہو وہ توجہ الی اللہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔

مؤمن کی نماز خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس مناسبت سے اس ریاضت کو اگر کسی نے ”صلوٰۃ معکوس“ سے تعبیر کر دیا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا یہ عمل ارکان صلوٰۃ پر مشتمل تھا۔ بلکہ خشوع و خضوع اور خشیت الہیہ کی بناء پر اسے صلوٰۃ معکوس کہہ دیا گیا۔ یہ عمل کوئی عبادت مقصودہ نہ تھا جسکی بناء پر احداث فی الدین کا الزام حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر عائد کیا جا سکے۔ بلکہ ایک روحانی علاج تھا۔ معالجین بطور علاج مریضوں کو اس قسم کی ورزش بتاتے ہیں کہ کچھ دیر پاؤں اوپر اٹھائے رکھیں۔ بتقاضائے کمال عبدیت مشقت برداشت کرنا خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل مبارک ہے۔ رات کو کھڑے کھڑے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک متورم ہو جاتے تھے۔

(بخاری ۱/۱۵۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ایک غلطی سرزد ہو گئی تھی جس کا ازالہ صرف توبہ اور استغفار سے بھی ہو سکتا تھا۔ مگر حضرت ابولبابہ نے اپنے نفس کو غلطی کی سزا دینے کے لئے اپنے آپ کو زنجیر کے ساتھ ستون سے باندھ دیا۔ ساتھ ہی یہ قسم بھی کھالی کہ میں نہ کچھ کھاؤں گا نہ کچھ پیوں گا۔ تا وقتیکہ میری غلطی معاف نہ ہو جائے۔ چنانچہ زنجیر کے ساتھ وہ مسلسل ساٹھ دن تک بندھے رہے۔ پیاب غیرہ اور نماز کے لئے ان کی بیٹی ان کی زنجیر کھول دیتی تھی۔ فراغت کے بعد وہ پھر بدستور اپنے آپ کو زنجیر کے ساتھ ستون سے باندھ دیتے تھے، ساٹھ دن تک انہوں نے کچھ کھایا نہ پایا۔ یہاں تک کہ جب انہیں نماز کے لئے کھولا گیا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی

توبہ قبول فرمائی۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کی توبہ قبول ہو گئی۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ کی قسم میں خود اپنے آپ کو نہ کھولوں گا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا کر مجھے نہ کھولیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور انہیں اپنے دست مبارک سے کھولا۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ جلد ۵ ص ۲۸۴، ص ۲۸۵ طبع تہران) مگر ان کے مسلسل بندھے رہنے اور طویل مشقت پر رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر انکار نہ فرمایا۔ ثابت ہوا کہ اصلاح نفس کے لئے بطور علاج اس قسم کی مشقت اٹھانا اور تکلیف جھیلنا بلاشبہ جائز ہے۔

ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ چلہ معکوس شرعاً و عقلاً بے غبار ہے۔ اور پھلواری نے اس پر جو شکوک و شبہات وارد کئے ہیں وہ سب بے بنیاد ہیں۔

خرقِ عادت یا عرقِ عادت

یہ وہ عنوان ہے جس پر پھلواری صاحب نے اپنے اس مضمون کا اختتام فرمایا ہے۔ اللہ والوں کے خلاف و ظائف و اعمال کے یہاں نے زیر افشانی میں انہوں نے پہلے ہی کوئی کمی نہ چھوڑی تھی۔ لیکن اس عنوان کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ان کا سینہ عداوتِ اولیاء کا گنجینہ ہے۔ معجزات و کرامات اور اہل اللہ کے خوارقِ عادت کی توہین و تضحیک میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ خوارقِ انبیاء، اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کتاب و سنت میں اس کثرت اور وضاحت کے ساتھ وارد ہے کہ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی اس میں متردد نہیں ہو سکتا۔ معجزہ صدق نبوت کی دلیل ہے اور کرامت ولی کی بزرگی کا نشان جس کی نظر میں نبی، ولی کی وقعت نہ ہو اس کے نزدیک معجزہ اور کرامت کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟

بے شک معجزہ فضیلت ہے لیکن نبی کی افضلیت کا معیار نہیں۔ اسی طرح کرامت بھی بزرگی ہے۔ مگر بزرگی کا مدار نہیں۔ معجزہ کا صدور غیر نبی سے نہیں ہو سکتا۔ کرامت کا ظہور بھی صرف ولی سے ہوتا ہے۔ اس لئے معجزہ ہو یا کرامت مسلمان دونوں کی حرمت و عظمت کا قائل ہے۔
حضراتِ انبیائے کرام اور اولیاءِ عظام کے خوارقِ عادات کو ان کی حرمت و فضیلت کے معنی سے خالی سمجھنا مسلمان کی فہم نہیں۔ لفظ کرامت کے معنی ہی بزرگی ہیں۔ پھر اسے بزرگی سے غیر متعلق سمجھنا کیوں کر صحیح ہوگا؟

۴۱ اکتالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

کرامت کو قے کہنے کا مطلب

اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ کسی بزرگ نے کرامت کو قے کہا ہے تو یہ قول محض بطور استعارہ ہوگا۔ یعنی اظہارِ کرامت اس طرح مکروہ اور ناپسندیدہ ہے جس طرح قے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔ پھلواری صاحب کا کرامت کو حقیقتاً قے سمجھنا ایسا ہی ہے۔ جیسے کسی بہادر انسان کو دیکھنے والا زَائِتُ اسَدًا کہے اور سننے والا، اسد کے معنی درندہ سمجھ لے۔ اس میں شک نہیں کہ اہل اللہ نے اظہارِ کرامت کو ہمیشہ ناپسند کیا ہے۔



بیالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

سادھو سے کرامت کا ظہور

کرامت صرف ولی سے ظاہر ہوتی ہے۔ پھلواری صاحب کرامات اولیاء کے منکر ہونے کے باوجود سادھو سے بھی ظہور کرامت کے قائل ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے فرمایا۔ ”کرامت کی وساطت سے جو ابادت ایمانی پیدا ہوتی ہے وہ مستحکم نہیں ہوتی۔ آج اگر ایک مسلمان بزرگ کی دو کرامتیں دیکھ کر کوئی معتقد ہوگا تو کل وہی کسی سادھو کی چار کرامتیں دیکھ کر اس کا دم بھرنے لگے گا۔“ (ص ۱۳۰) — کرامتیں اگر سادھو سے بھی ظاہر ہو سکتی ہیں تو پھر ان کے کرامت ہونے کا کیا مفہوم رہا؟ — دراصل پھلواری صاحب یہی کہنا چاہتے ہیں کہ کرامت لغو اور بے معنی ہے!

۴۳

تینالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

حضرت یحییٰ منیری کے قول کی وضاحت

پھلواری صاحب لکھتے ہیں: ”دنیا کرامات کی پجاری ہے۔ مگر خود مخدوم الملک کرامت کو بت پرستی قرار دیتے ہیں۔ جی ہاں صاف لفظوں میں بت پرستی فرماتے ہیں۔ وہ کرامات کو انسانی سطح سے بہت گری ہوئی اور گھٹیا چیز قرار دیتے ہیں۔ مخدوم الملک کی ایک مسیح عبارت سنئے۔ فرماتے ہیں: گرہ آب روی خسی و گرہ ہوا پری گسی آں کار بکن کہ گویند کسی“ (ص ۲۸) انتہی۔

سلف صالحین سے لے کر آج تک کتاب و سنت کے مطابق یہی عقیدہ ہے کہ اولیاء کی کرامتیں حق ہیں۔ اس اعتقاد کو کرامت کی پوجا کہنا پوری امت مسلمہ کو مشرک قرار دینے کے مترادف ہے۔ العیاذ باللہ۔ مخدوم الملک حضرت احمد عیسیٰ منیری کا مسجع کلام جو پھلواروی صاحب نے نقل کیا ہے۔ اس کے کسی ایک لفظ کا بھی یہ مفہوم نہیں کہ کرامت بت پرستی ہے۔ وہ تو صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ خوارقِ عادات کا ظہور مثلاً پانی پر چلنا یا ہوا میں اڑنا۔ سالکِ راہِ معرفت کے لئے منتہائے کمال نہیں۔ یہ تو ایسی باتیں ہیں جو تنکے اور مکھی میں بھی پائی جاتی ہیں۔ انسانیت کا کمال تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے قرب و معرفت کا وہ مقام حاصل کرے جسے وصولِ الہی اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

غرقِ عادت کی اصطلاح

غرقِ عادت کی اصطلاح تو متقدمین اسلافِ کرام سے منقول ہوتی چلی آرہی ہے۔ لیکن غرقِ عادت کا لفظ کبھی سننے میں نہیں آیا۔ یہ صرف پھلواروی صاحب کی اختراع ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ غرقِ عادت کے مقابلے میں غرقِ عادت کا لفظ انہوں نے کیوں بولا۔ لیکن ہم اب تک یہ نہ سمجھ سکے کہ اس لفظ سے ان کی کیا مراد ہے؟ اگر امورِ عادیہ مراد ہیں تو غرقِ عادت سے ان کا کیا تعلق؟ ایسی صورت میں وہ عادت اور غرقِ عادت بولتے۔ غرقِ عادت کا لفظ تو اس مقام پر قطعاً بے معنی اور مہمل ہے

معجزہ و کرامت اسباب سے متعلق نہیں ہوتے۔

ہم نے مانا کہ اسبابِ عادیہ ظاہرہ کے علاوہ اسبابِ خفیہ بھی ہوتے ہیں۔ لیکن

محققین سلف صالحین کا مسلک یہی ہے کہ خوارقِ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام
یعنی معجزات و کرامات جس طرح اسبابِ عادیہ ظاہرہ سے متعلق نہیں ہوتے بالکل
اسی طرح ان کا تعلق اسبابِ خفیہ سے بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر قسم کے اسباب کے
بغیر اللہ تعالیٰ انہیں ظاہر فرماتا ہے۔ اور یہی خرقِ عادت ہے۔

۴۴

چوننا لیسواں اعتراض اور اس کا جواب

خرقِ عادت کو ناممکن کہنا

اہل اللہ کے خلاف زہر افشانی کرتے ہوئے پھلواری صاحب فرماتے ہیں:
”خرقِ عادت ممکن ہی نہیں۔ قانونِ قدرت اٹل ہوتا ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی
نہیں ہو سکتی۔“ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ - وَلَنْ تَجِدَ لِسَانَ اللَّهِ تَبْدِيلًا۔
(انتہی کلامہ)

پھلواری صاحب نے اس حقیقت کو بھی نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا خارقِ عادت
فعل جو نبی کی تصدیق کے لئے نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔ معجزہ کہلاتا ہے (دیکھیے
شرح مواقف جلد ۸ ص ۲۲۳-۲۲۴ طبع مصر) اولیٰ کی کرامت بھی اس کے نبی
کا معجزہ ہوتی ہے۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ جو خرقِ عادت کے طور پر
ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لئے اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ دونوں خارق
عادت فعل اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ پھلواری صاحب کا یہ کہنا کہ ”خرقِ عادت
ممکن ہی نہیں“ معجزات و کرامات کی نفی صریح ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ یہاں
انتہائی افسوس ناک اور غارت گریاں پہلو یہ ہے کہ خرقِ عادت کو ناممکن کہہ کر
اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بھی انکار کر دیا گیا۔ بندے کے کسی فعل کو ناممکن کہہ سکتے ہیں

لیکن اللہ تعالیٰ کے فعل واقعی کو ناممکن کہنا بندے کے لئے ممکن نہیں کیونکہ وہ خرقِ عادت کا کام اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

قانونِ قدرت یقیناً اٹل ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی لیکن کس کی طرف سے؟ ہمارا ایمان ہے کہ بندوں کی طرف سے تبدیلی ناممکن ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے قانون کو بقاضائے حکمت بدل سکتا ہے۔ وہ قانون عام ہو یا خاص کیونکہ قانون بنانے والا اپنے قانون کو بدلنے کا حق رکھتا ہے۔

پینتالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

قدرتِ خداوندی کا انکار

پھلواری صاحب فرماتے ہیں: ”انسان نئے نئے قوانین دریافت تو کرتا ہے بناتا نہیں۔ اور جب بناتا نہیں توڑ بھی نہیں سکتا۔“ انتہی کلامہ میں عرض کروں گا کہ اہل اللہ کے خوارقِ عادت کے ضمن میں ان کی یہ بات بالکل بے محل ہے۔ قوانینِ فطرت اہل اللہ نے نہ بنائے ہیں نہ انہیں کبھی توڑا ہے نہ وہ توڑ سکتے ہیں۔ ان کا بنانے والا صرف اللہ ہے۔ اور جس چیز کو وہ بنا سکتا ہے اسے توڑ بھی سکتا ہے یہی خرقِ عادت ہے جسے پھلواڑی صاحب ناممکن کہہ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کر رہے ہیں۔



۴۶ چھیا لیسواں اعتراض اور اس کا جواب

معجزات و کرامات کو نظر بندی کہنا

معجزات و کرامات کے ضمن میں پھلواری صاحب کا اسبابِ خفیه کا ذکر کر کے بازی گر، جادوگر، ہپناٹزم کے تماشوں کا ذکر کرنا محض یہ تاثر دینے کے لئے ہے کہ اہل اللہ کے خوارقِ عادات معجزات و کرامات سب اسی نوعیت کے ہیں۔ حالانکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ سب افعالِ الہیہ ہیں۔ ان کا ظہور من جانب اللہ ہوتا ہے جادو اور بازی گری سے ان کا کیا تعلق؟

پھلواری صاحب کی یہ تحریر دراصل ان کے اسی بغض و عناد کا اظہار ہے جس کا مظاہرہ وہ ابتداء سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔

۴۷ سینٹا لیسواں اعتراض اور اس کا جواب

کرامت کو لا اکراہ فی الدین کے منافی کہنا

پھلواری صاحب فرماتے ہیں: ”کرامت یا خرقِ عادت ایک قسم کا دباؤ ہے جسے دیکھ کر انسان ڈر سا جاتا ہے۔ اور بات ماننے پر مجبور ہو جاتا ہے اور یہ کسی حد تک لا اکراہ فی الدین کے منافی ہے۔“ انتہی کلام۔
اس عبارت سے پھلواری صاحب کا مافی الضمیر کھل کر سامنے آ گیا کہ وہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں اور خوارقِ انبیاء و اولیاء علیہم السلام کو ایک قسم کا دباؤ قرار دے رہے ہیں۔ جسے دیکھ کر انسان ڈر سا جاتا ہے اور بات ماننے پر مجبور

سا ہو جاتا ہے۔

جن آیات قدرت کو دیکھ کر انسان کو خوف لاحق ہو پھلواروی صاحب نہیں لا اکراہ فی الدین کے منافی سمجھتے ہیں حالانکہ سنت الہیہ یہی ہے کہ معجزات و خوارق عادات کے ذریعے لوگوں کو ڈرایا جائے۔ قرآن مجید کی جو آیت پھلواروی صاحب کے ذہن کو جھنجوڑ رہی ہے اس کے آخری الفاظ میں ارشاد فرمایا: وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا (پہلا الاسراء آیت نمبر ۵۹) یعنی ہم نشانیاں اسی لئے تو بھیجتے ہیں کہ لوگ انہیں دیکھ کر ڈریں۔

اگر یہ لا اکراہ فی الدین کے خلاف ہے تو کیا پھلواروی صاحب کے نزدیک قرآن میں تعارض بھی پایا جاتا ہے؟ — خوارق عادات سے لوگوں کا ڈر محسوس کرنا لا اکراہ فی الدین کے منافی ہوتا تو انبیاء علیہم السلام صرف مبشر ہوتے مُنْذِرٌ وَنَذِيرٌ کبھی نہ ہوتے۔ پھلواروی صاحب جو سنت الہیہ کی آڑ لے کر خوارق عادات کے منکر ہیں۔ کاش اس حقیقت پر غور فرماتے کہ آیات و معجزات کے ذریعے لوگوں کو ڈرانا سنت الہیہ ہے۔

جیسا کہ ہم نے ابھی آیت قرآنیہ سے ثابت کیا — نبوت ختم ہونے کے ساتھ معجزات کا سلسلہ تو ختم ہو گیا لیکن اللہ کی نشانیوں کے ساتھ لوگوں کو ڈرانے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ بلکہ قیامت تک جاری رہے گا۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک مرتبہ سورج گرہن کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا: ”هَذِهِ الْآيَاتُ الَّتِي يُرْسِلُ اللَّهُ لَا تَكُونُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ وَلَكِنْ يَخَوْفُ اللَّهُ بِهَا عِبَادَهُ“ الحدیث۔ یہ قدرت کی نشانیاں جنہیں اللہ بھیجتا ہے کسی کی موت یا پیدائش کے لئے نہیں ہوتیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔

(بخاری مسلم مشکوٰۃ ص ۱۳ طبع دہلی)
ناظرین کرام! غور فرمائیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں پھلواروی صاحب
کی یہ بات باطل محض نہیں تو کیا ہے؟

۴۸/
اڑتالیسواں اعتراض اور اس کا جواب

کھلی تضاد بیانی

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: ”خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا
کمال یہ ہے کہ قانون قدرت کو توڑ کر کرامت پیدا کرنے کا سلسلہ ختم کر دیا۔“
(انتہی کلامہ)

پھلواروی صاحب اپنی اس عبارت میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قانون قدرت
توڑ کر کرامت پیدا کرنے کا جو سلسلہ چلا آ رہا تھا۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے اسے ختم کر دیا۔ انتہائی حیرت کا مقام ہے کہ قانون قدرت کا توڑنا تو
ممکن ہی نہیں۔ پھلواروی صاحب نے تو اسے اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ناممکن قرار
دیا ہے۔ پھر اس سلسلے کو ختم کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا یہ پھلواروی صاحب
کی کھلی تضاد بیانی نہیں؟

۴۹/
انچاسواں اعتراض اور اس کا جواب

امورِ عادیہ کو خوارقِ عادات کہنا

اس کے بعد پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: ”اور جو معجزہ ظاہر ہوا۔ وہ

کم اسباب کے اندر رہ کر اور قانونِ قدرت سے ہم آہنگ رہ کر ظاہر ہوا۔
(انتہی کلام)

میں عرض کروں گا کہ جو کام خارقِ عادت نہ ہوں اور وہ اسباب میں رہ کر ظاہر ہوں۔ انہیں معجزہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ — پھلوار دی صاحب نے یہ بات کہہ کر گویا معجزے کی بنیاد ہی اکھاڑ دی۔ ہم شرحِ مواقف کے حوالے سے ابھی بتا چکے ہیں کہ معجزہ خارقِ عادت امر ہے جو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اسی کی طرف سے صدقِ نبوت کی دلیل کے طور پر نبی سے ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل پھلوار دی صاحب کا مقصد ہی یہ ہے کہ معجزات اور خوارقِ عادات کا تصور مسلمان کے ذہن سے نکال دیں۔

۵۰ پچاسواں اعتراض اور اس کا جواب

تختِ سلیمانی کو ہوا اڑاتی تھی

اس مقام پر پھلوار دی صاحب کا یہ کہنا کہ ”حضرت سلیمان کے تخت کو جن لے کر سفر کراتے تھے۔“ قرآن کے خلاف ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شیاطین اور جنات سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر تھے۔ لیکن حضرت سلیمان کے تخت کو لے کر ان کا سفر کرنا صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ“ (پ ۲۳ ص آیت نمبر ۳۶) یعنی ”ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا مسخر کر دی۔ وہ ان کے حکم کے ساتھ نرم روی سے چلتی جہاں وہ ارادہ فرماتے۔“ یہاں جنوں کا نہیں بلکہ ہوا کا ذکر ہے کہ سلیمان علیہ السلام جہاں چاہتے

تھے۔ ہوا ان کے حکم سے چلتی تھی یعنی ان کے تخت کو لے جاتی تھی۔
اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ معجزات میں انبیاء علیہم السلام کے
حکم اور ارادے کا پایا جانا بھی قرآن کے خلاف نہیں بلکہ قرآن سے ثابت ہے

معجزہ و کرامت مقدّر نبی ولی ہوتے ہیں

یہ صحیح ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصد و التفات کے بغیر بھی
ان سے خوارق عادات کا صدور ناممکن نہ تھا۔ بناء برین اہل اللہ کے لئے خوارق
عادات کا اظہار ممکن اور تحت قدرت الہیہ ہے ورنہ قادر مطلق کا عجز لازم آئے
گا۔ تَعَالٰی اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ عَلُوًا كَبِيْرًا۔

معجزہ ہو یا کرامت دراصل خرق عادت کے طور پر وہ اللہ تعالیٰ ہی کا کام
ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ معجزہ کی شرط یہ ہے کہ وہ نبی کے تحت قدرت
نہ ہو۔ اور بعض نے کہا کہ یہ شرط بے معنی ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ نبی معجزے
پر قدرت رکھتا ہو۔ مگر یہ اختلاف محض نزاع لفظی ہے۔ کیونکہ خرق عادت کام
کی جو قدرت اللہ تعالیٰ نے نبی کو عطا فرمائی۔ جو لوگ اسی قدرت کو معجزہ کہتے
ہیں۔ ان کے نزدیک معجزہ نبی کا مقدور نہیں۔ کیونکہ خرق عادت کی اس قدرت
پر نبی قادر نہیں ہوتا۔ اور جن لوگوں نے اس فعل خارق للعادة کو معجزہ کہا جو اس
قدرت معجزہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ انہوں نے معجزے کا نبی کے لئے مقدور ہونا
تسلیم کیا۔

خلاصہ یہ کہ جنہوں نے خرق عادت کی قدرت کو معجزہ قرار دیا۔ وہ
خارق عادت فعل کو حقیقتاً معجزہ نہیں کہتے۔ ہاں ان کے نزدیک وہ مجازاً معجزہ
ہے۔ اور جن لوگوں نے قدرت کی بجائے اس خارق للعادة فعل کو معجزہ کہا۔ ان کے

نزدیک وہ فعل حقیقتاً معجزہ ہے اور وہ نبی کا مقدور ہے۔ یعنی نبی میں قدرتِ معجزہ کا انکار کسی نے نہیں کیا۔ فرق اتنا ہے کہ کسی نے عین قدرت کو معجزہ کہا جو نبی کی مقدور نہیں۔ اور کسی نے اس قدرت کی وجہ سے خارقِ عادت فعل کو معجزہ کہا۔ جو قدرتِ معجزہ کی وجہ سے نبی کا مقدور ہے۔ (محصلاً۔ شرح مواقف جلد ۸ ص ۲۲۳-۲۲۴ طبع مصر)

بہر حال معجزہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے۔ اور اسی کی جانب سے ہے۔ خواہ وہ قدرتِ معجزہ ہو یا فعلِ خارق للعادة۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کے لئے ناممکن کہنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرنا ہے۔ یہ بحث افعالِ خارقہ للعادة سے متعلق تھی، رہا قرآنِ کریم تو یقیناً وہ معجزہ ہے ایسا دائمی اور ابدی معجزہ جو بقیہ معجزات کو حاوی ہے۔ بلکہ انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات پر بھی شتم، لیکن وہ فعل نہیں، اللہ کا کلام قدیم ہے۔ اس لئے وہ افعالِ خارقہ للعادة کے حکم سے بالاتر ہے۔ مختصر یہ کہ ہم نے قرآن سے ثابت کر دیا کہ پھلواری صاحب کا یہ قول غلط ہے کہ ”حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کو جتن لے کر سفر کراتے تھے“

۵۱
اکیا ونواں اعتراض اور اس کا جواب

تختِ بلقیس کو اٹھالانے والا

اس مقام پر پھلواری صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ”حضرت سلیمان نے چشمِ زدن میں جنوں سے بلقیس کا تخت منگوایا۔“ قرآن مجید میں ہے: قَالَ عَفْرِتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ

۱۹۱ اِنَّمَا آیت نمبر ۱۳۹ یہ بات قوی ہیکل خبیث جن نے کہی تھی کہ آپ کے دربار
برخواست کرنے سے پہلے بلقیس کا تخت میں آپ کے پاس لے آؤں گا۔ اس کے
بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ اِنَّا
اَتَيْنَكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّزُتَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ۔ جس کے پاس کتاب کا
علم تھا۔ وہ بولا آپ کی پل جھپکنے سے پہلے وہ تخت میں آپ کے پاس لے آؤں
گا۔ ۱۹۲ اِنَّمَا آیت نمبر ۱۴۰ جمہور مفسرین کے نزدیک وہ آصف بن برخیا ہیں
جو انسان تھے بعض نے کہا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے بعض اقوال میں
دوسرے انسانوں کا ذکر وارد ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ خود حضرت سلیمان
علیہ السلام تھے۔ ایک قول کے مطابق وہ جبریل علیہ السلام تھے لیکن پل جھپکنے
سے پہلے تخت لانے کی بات کسی ”جن“ نے نہیں کی۔ بالفرض کسی قول شاذ میں
”جن“ کا لفظ آیا بھی ہو جو ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ تو قول شاذ پھلوا دی صاحب
کے نزدیک پہلے ہی ناقابل قبول ہے۔ پھر سمجھیں نہیں آتا کہ انہوں نے کس
بنا پر یہ بات کہہ دی کہ حضرت سلیمان نے چشمِ زدن میں جنوں سے بلقیس کا تخت
منگوا یا۔

۵۲/ باونواں اعتراض اور اس کا جواب

عادی امور کو معجزات بتانا صحیح نہیں

پھلوا دی صاحب نے اس مقام پر بعض سابقین انبیاء و مقربین کے خوارق
معجزات و کرامات کے بالمقابل جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند امور عادیہ
کو معجزہ قرار دے کر نقل کیا ہے۔ انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول و فعل، ہر ادا، ہر حال اور ہر کام قیامت تک بنی نوع انسان کے لئے مشعل ہدیٰ اور مینار ہدایت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ امور عادیہ کو معجزات کی جگہ لکھ دیا جائے پھلواروی صاحب کا یہ طرز عمل علم و دانش کی روشنی میں لایعنی اور بے محل ہے۔

ترہینواں اعتراض اور اس کا جواب

وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ كَمَا مَفْهُوم

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں قرآن کریم کی ایک آیت میرے دماغ کو اکثر جھنجوڑتی رہتی ہے۔ جو یہ ہے۔ وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ۔ ہمیں معجزات بھیجنے سے صرف اسی بات نے روک دیا ہے کہ گذشتہ امتوں نے ان کی تکذیب کی۔ ایک شے کو آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود جھٹلانے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ معجزہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور اسے من جانب اللہ سمجھنے کے بجائے کھیل تماشہ بازی گری جادو اور نظر بندی وغیرہ سمجھتے ہیں (انتہی کلامہ)

میں عرض کروں گا کہ آیت نہیں بلکہ اس کا غلط مفہوم پھلواروی صاحب کے ذہن کو اکثر جھنجوڑتا رہتا ہے۔ مضمون آیت باسکل واضح ہے کہ قریش مکہ جن معجزات کو طلب کر رہے ہیں۔ اگر ہم انہیں ظاہر فرما دیں تو جس طرح پہلے لوگ اس قسم کے معجزات کا انکار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ یہ لوگ بھی انکار کر کے ہلاکت کے مستحق ہو جائیں گے طلب کردہ معجزات و آیات ہم نے صرف اس لئے نہیں بھیجے کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ انہیں دیکھ کر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور مکذبین

اولین کی طرح یہ لوگ، ہلاکت و عذاب کے مستوجب قرار پائیں گے مطلوبہ آیات کو دیکھنے کے بعد ان کا انکار کرنے والوں کو اپنے عذاب میں ہلاک کر دینا ہماری سنت ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں انہیں عذاب عام میں مبتلا کر کے ہلاک کریں۔ بس یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان کی مطلوبہ آیات نہیں بھیجیں۔

آیت کریمہ کے اس واضح مفہوم میں کوئی ایسی بات ہی نہیں جو ذہن کو جھنجھوٹنے والی ہو۔ ایک شے کو آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود جھٹلانے کا یہی مطلب ہے کہ وہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ لیکن پھلواری صاحب کا یہ کہنا کہ وہ اسے من جانب اللہ سمجھنے کے بجائے کھیل تماشہ بازی گری جادو اور نظر بندی وغیرہ سمجھتے رہے۔ صحیح نہیں کیا یہ ممکن نہیں کہ انہوں نے ان معجزات کو من جانب اللہ سمجھنے کے باوجود محض ازراہ عناد، سحر یا نظر بندی کہا ہو۔ اور حق کی معرفت کے باوجود تمرد اور سرکشی اختیار کر کے اپنے کفر پر جمے رہے ہوں۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انکار کرنے والوں نے حق کو پہچان کر بھی اس کے ماننے سے انکار کر دیا۔ جان بوجھ کر حق کو چھپایا۔ اور حق کو پہچان کر اس کے ساتھ کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ" جب ان کے پاس جانا پہچانا حق آگیا تو اس کے ساتھ انہوں نے کفر کیا۔ (پ البقرہ آیت نمبر ۸۹) نیز فرمایا: "الَّذِينَ اتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ" وَهُمْ يَعْلَمُونَ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپاتا ہے۔ (پ البقرہ آیت نمبر ۱۴۶)

ان آیات سے ثابت ہوا کہ معاندین کفار نے حق کو جاننے اور پہچاننے کے بعد بھی حق کا انکار کیا اور ازراہِ عناد اپنے کفر پر جھپٹے۔ لہذا پھلوا روی صاحب کا یہ کہنا صحیح نہیں۔

۵۴ چٹواں اعتراض اور اس کا جواب

معجزات کو وقتی کہنا نا فہمی ہے

پھلوا روی صاحب فرماتے ہیں: ”گزشتہ سارے معجزات وقتی تھے منکرین نے ان کو آنکھوں سے دیکھ کر بھی قبولِ حق سے انکار کر دیا“ انتہی۔
پھلوا روی صاحب کی تضاد بیانی انتہائی تعجب انگیز ہے۔ کبھی وہ خرقِ عادت کو ناممکن کہہ کر معجزات کا انکار کر دیتے ہیں اور کبھی ان کو وقتی معجزات کہہ دیتے ہیں۔ معجزات تو درکنار اگر وہ پچھلے نبیوں کو بھی محض وقتی انبیاء کہہ دیں تو کون انہیں روکے گا؟ نبی کی نبوت کبھی زائل نہیں ہوتی۔ وہ ابد تک ہمہ وقتی ہے ان کے معجزات کو محض وقتی کہنا نا فہمی ہے۔

۵۵ پچھٹواں اعتراض اور اس کا جواب

قرآن حقانیت معجزات انبیاء کا امین ہے

پھلوا روی صاحب فرماتے ہیں: ”آج اگر کوئی ان معجزات کے وجود یا وقوع ہی سے انکار کر دے اور یہ دعویٰ کرے کہ سب من گھڑت افسانے ہیں۔ یہ کبھی وقوع میں آئے ہی نہیں تو ہم ان کے وجود کو کیسے ثابت کر سکتے ہیں؟ لیکن قرآن کے

زندہ و پائندہ اعجاز سے کسی دور میں بھی انکار کی گنجائش نہیں۔“ انتہی
میں عرض کروں گا۔ آپ مانتے ہیں کہ قرآن کے زندہ و پائندہ اعجاز سے کسی
دور میں بھی انکار کی گنجائش نہیں۔ اسی قرآن میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام
کے معجزات کو بیان فرما کر انہیں زندہ و پائندہ کر دیا۔ کسی دور میں بھی قرآنی اعجاز
کے انکار کی گنجائش نہ ہونا ان معجزات کے انکار کی گنجائش نہ ہونے کو مستلزم
ہے جب بھی کوئی دعویٰ کرے گا کہ یہ سب افسانے ہیں۔ یہ کبھی وقوع میں
آئے ہی نہیں۔ ہم اسی وقت ان کے وجود اور وقوع کو قرآن سے
ثابت کریں گے۔

ہر مطالبے کا استیفاء

پھلواروی صاحب فرماتے ہیں: میں نے جن غلطیوں کی نشان دہی کی
ہے وہ اگر لغوی ہیں۔ لغت ہی سے اس کا جواب دینا چاہیئے۔ صرف و نحو کی بات
ہے تو صرف و نحو ہی کے قواعد سے اس کی تردید کرنی چاہیئے۔ فکری معاملہ
ہے تو فکری ہی انداز سے اس کو غلط ثابت کرنا چاہیئے۔ میری گزارشوں کا یہ جواب
نہیں کہ فلاں صاحب علم بزرگ نے تو ان غلطیوں کی نشان دہی کی نہیں۔ لہذا تمہاری
نشان دہی غلط ہے۔“ (ص ۱۶)

پھلواروی صاحب کے اس مطالبے کو حرف بحرف ہم نے پورا کر دیا۔ ہم
نے ان کے جواب میں اس بات پر اکتفاء نہیں کیا کہ فلاں صاحب علم بزرگ نے ان
غلطیوں کی نشان دہی نہیں کی۔ لہذا پھلواروی صاحب کی نشان دہی غلط ہے بلکہ
پھلواروی صاحب نے جن لغوی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے۔ ہم نے لغت ہی
سے ان کا جواب دیا ہے۔ اور صرف و نحو کی بات کی تردید ہم نے صرف و نحو ہی

کے قواعد سے کی ہے اور ان کی فکری غلطیوں کا جواب فکری ہی انداز سے دیا ہے۔

پھلواروی صاحب کے اعتراضات کا خلاصہ ہم نے اپنے الفاظ میں پیش نہیں کیا۔ بلکہ ان کا ہر اعتراض انہی کی عبارت میں نقل کر دیا ہے اور ان کے مدلل جوابات لکھ دیئے ہیں۔ علم و دانش اور عدل و انصاف کی روشنی میں ناظرین کرام پر یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ پھلواروی صاحب نے جو غلطیاں درود تاج اور دیگر وظائف میں نکالی ہیں۔ درحقیقت وہ درود تاج وغیرہ کی غلطیاں نہیں۔ بلکہ خود ان کی اپنی غلطیاں ہیں۔ اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جو کچھ انہوں نے کہا وہی درست ہے۔ اسی لئے انہوں نے آگے چل کر صاف کہہ دیا کہ ”ہمارے لئے آسان راستہ یہ ہے کہ درود تاج کے متعلق یہ مان لیں کہ ایسی بے سرو پا عبارت کے مصنف حضرت شاذلی نہیں ہو سکتے۔“

ناظرین کرام کو یاد ہوگا کہ پھلواروی صاحب نے اس مضمون کی ابتداء ان الفاظ سے کی تھی، ”درود تاج کے بعض مقامات مجھے کھٹکتے ہیں علمائے کرام سے کچھ طالب العلمانہ استفسار کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔ اپنی علمی بے بضاعتی کا مجھے اقرار بھی ہے۔ اور پورا احساس بھی“ (ص ۷) مگر ان کے مضمون کا انداز صاف بتا رہا تھا کہ طالب علمانہ استفسار اور اپنی علمی بے بضاعتی کا احساس و اقرار۔ محض ایک لبادہ ہے جو اس مقام پر پہنچ کر اچانک اتر گیا۔ اور حقیقت واضح ہوگئی کہ استفسار مطلوب نہ تھا۔ بلکہ یہ منوانا مقصود تھا کہ درود تاج کی عبارت بے سرو پا ہے جو حضرت شاذلی کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ درود تاج حضرت شاذلی کی تصنیف ہے یا نہیں۔ ہمیں تو صرف یہ بتانا تھا کہ پھلواروی صاحب نے جس چیز کو غلط سمجھا وہ غلط نہیں بلکہ صحیح ہے۔ صحیح کو غلط سمجھنا اور اپنی غلط فہمی کو غلط فہمی نہ کہنا ایسا جہل مرکب ہے جس سے کبھی بھی نجات نہیں مل سکتی۔ کسی نے سچ کہا۔

۵ آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدال دھسربماند

اختتامیہ

ناظرینِ کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ پھلواروی صاحب نے اپنی جس علمی بے
بضاعتی کا اعتراف محض بطور تکلف فرمایا تھا۔ وہ ایک حقیقتِ ثابتہ بن کر
سامنے آگئی جس پر کتبِ صرف و نحو اور لغتِ عرب کی روشن عبارات سے
اٹل شہادتیں ہم نے قائم کر دیں۔

علاوہ ازیں ہم نے ان کے پیش کردہ باطل نظریات کا ردِ بلیغ کتاب و
سنت کے دلائل سے بخوبی کر دیا۔ کتبِ تفسیر و حدیث اور علمِ کلام وغیرہ کے
حوالہ جات سے بھی پھلواروی صاحب کے دعاویٰ باطلہ کا ابطال ناظرین
کرام کے سامنے آگیا۔

مقامِ غور ہے کہ جس شخص کے ذہن کو قرآن مجید کی ایک آیت ہمیشہ جھنجھوٹی
رہے اور وہ اس کا مفہوم نہ سمجھ سکے کب اس لائق ہو سکتا ہے کہ ”امامِ صوفیہ“
اور ”مجتہد العصر“ بن کر پہلے بزرگوں کے مقبول اور پسندیدہ وظائف کو غلط اور شرکانہ
کہے اور صالحینِ امت پر خطائے مشرکانہ کی طعنہ زنی کرے۔

اصل بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں اولیاء اللہ کا بغض چھپا ہوا ہے بقول
مولانا رومی جب اللہ تعالیٰ کو ان کی پردہ دری منظور ہوتی ہے۔ تو وہ انہیں اپنے
نیک پاک بندوں کے حق میں طعنہ زنی پر مائل کر دیتا ہے۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

۵ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میش اندر طعنہ پا کاں برد

خوشخبری

پندرہویں صدی ہجری کا مسلمانوں کیلئے

عظیم تحفہ

امام اہلسنت غزالیؒ دورانِ حضرت علامہ سید احمد سعیدؒ کاظمی

قدس سرہ العزیز کا

ترجمہ القرآن

الْبَيْتُ

جو سلف صالحین کے مسکن کے عین
مطابق بارگاہِ الوہیت کے تقدس اور عظمتِ نبوت کا
ضامن ہونیکے ساتھ ساتھ سادہ اور سلیس زبان میں
ہے زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر عنقریب
نذرِ قارئین ہوگا

خوشخبری

پندرہویں صدی ہجری کا مسلمانوں کیلئے

عظیم تحفہ

امام اہلسنت غزالیؒ دورانِ حضرت علامہ سید احمد سعیدؒ کاظمی

قدس سرہ العزیز کا

ترجمہ القرآن

الْبَيْتُ

جو سلف صالحین کے مسکن کے عین
مطابق بارگاہِ الوہیت کے تقدس اور عظمتِ نبوت کا
ضامن ہونیکے ساتھ ساتھ سادہ اور سلیس زبان میں
ہے زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر عنقریب
نذرِ قارئین ہوگا

